قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار
طلوعِ اسلام کراچی

جلد نمبر ۸
شمارہ نمبر [illegible]

ہفتہ ۲۶ فروری ۱۹۵۵ء

قیمت چار آنہ
سالانہ دس روپے

قران نے کیا کہا

ایک نے کہا "حکم حاکم مرگ مفاجات"۔ اطاعت حاکم کے حکم کی ہے جو کسی صورت میں ٹل ہی نہیں سکتا۔ دوسرے نے کہا کہ

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

یعنی اطاعت روحانی پیشواؤں کی ہے۔ جو حکم وہاں سے ملے اس پر آنکھ بند کر کے عمل کئے جاؤ۔

قران نے کہا کہ وہ بھی غلط اور یہ بھی غلط۔ ما کان لبشران یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادالی سن دون اللہ ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون (۳/۷۸) کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کرے تو وہ لوگوں سے کہنے لگ جائے کہ تم خدا کے احکام کی نہیں بلکہ میرے حکم کی اطاعت کرو۔ اسے یہی کہنا چاہئے کہ تم اس ضابطۂ خداوندی کی اطاعت کرو جسے تم پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو اور جس کی تعلیم عام کرتے ہو۔ اور اس طرح خدا کی صفت رب العالمینی کے مظہر بن جاؤ۔

اطاعت کسی انسان کی جائز نہیں۔ اطاعت صرف کتاب اللہ کی ہے یعنی اس حکم کی جو کتاب اللہ کے مطابق ہو۔

طلوعِ اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ

۱ [illegible]

۲ [illegible]

۳ [illegible]

۴ [illegible]

۵ [illegible]

۶ [illegible]

۷ [illegible]

۸ [illegible]

ہمارا مقصد یہ ہے کہ

[illegible]

اگر آپ طلوعِ اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں
تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوعِ اسلام کا ساتھ دیجئے

As. -/4/-

Tolu-e-Islam magazine
February 26 1955

Contents

Page 3	جمہوریت اور پاکستان
Page 5	کوائف پاکستان
Page 6	عالم اسلامی
Page 6	اندرون ہند
Page 7	تاریخی شواہد
Page 8	اسلام کی سرگزشت
Page 9	مجلس اقبال
Page 10	عورت کا قرآن
Page 11	ابو اسحاق ابراہیم نظام
Page 15	بین الاقوامی جائزہ
Page 15	حقائق و عبر
Page 16	بزم طلوع اسلام
Page 17	باب المراسلات

قرانی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ہوگا اسی قدر قرانی فکر عام ہوگی اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا۔ اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ہے۔ یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا پچیس روپے کی ماہانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تآنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ہوجائے۔ اس طرح - - -

- آپ کی پیشگی رقم سے ہمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی۔ اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی۔ اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نہیں ہوئے تو اب شامل ہوجائیے۔

معاملہ کی ضروری باتیں

- ★ طلوع اسلام آپ کا اپنا ادارہ ہے اس لئے اس سے اسی طرح کا برتاؤ کیجئے جس طرح اپنوں سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔ یہ بھی آپ سے ایسا ہی برتاؤ کریگا۔
- ★ حساب میں بعض اوقات غلطی ہوسکتی ہے۔ ایسی غلطی باہمی افہام و تفہیم سے صاف کرلیجیے۔
- ★ رسالہ کے انتظامی معاملات کے متعلق الگ خط لکھئے۔ کتابوں کے لئے الگ۔
- ★ مضامین کے متعلق مدیر کے نام علحدہ خط لکھئے۔ نیز استفسارات مدیر کے نام الگ بھیجئے۔
- ★ پتہ کی تبدیلی سے کم از کم دو ہفتہ پہلے اطلاع دیجئے۔
- ★ پرچہ نہ ملنے کی اطلاع تاریخ اشاعت کے ایک ہفتہ کے اندر دیجئے۔ بعد میں رسالہ قیمتاً بھیجا جائیگا۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳۔ کراچی۔ ۳

ہفتہ وار

طلوع اسلام

جلد ۸ | ۲۶ فروری ۱۹۵۵ء | نمبر ۴

جمہوریت اور پاکستان

قرآن کہتا ہے کہ جو قومیں عقل و فکر سے کام نہیں لیتیں اُن کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ چند معتقدات اور تصورات کی پرستش کرتی ہیں، بغیر یہ جانے ہوئے کہ ان کی کنہ و حقیقت اور غرض و غایت کیا ہے۔ ان کے یہ تصوراتِ حیات اس کے سوا کچھ نہیں ہوتے کہ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ (۵۳/۲۳)۔ چند اصطلاحات ہیں جو انہوں نے خود وضع کرلی ہیں یا ان کے آباء و اجداد سے منتقل ہوکر ان تک وراثتاً آگئی ہیں اور وہ ان سے چمٹے چلے جاتے ہیں۔ "آباء و اجداد" سے مراد نسلی باپ دادا ہی نہیں بلکہ وہ اقوام بھی ہیں جنہیں یہ لوگ اپنے سے اونچا اور آگے سمجھتے ہیں اس لئے ان کے ہاں کے تصورات کو ابدی صداقتیں سمجھ کر بلاسوچے سمجھے اختیار کرلیتے ہیں۔ دورِ حاضرہ کے اسی قسم کے تصورات میں سے ایک تصور کا نام "جمہوریت" ہے۔ یہ تصور مغربی فکر کے ٹکسالوں میں ڈھلا اور اب یورپ اور امریکہ کے اکثر ممالک میں بطور سیاسی نظام رائج ہے۔ چونکہ ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی اور انگلستان جمہوری نظام کا سب سے بڑا علمبردار ہے، اس لئے جب اس نے ہندوستان میں اصلاحات نافذ کیں تو وہ انہی خطوط پر تھیں جن خطوط پر اس کے اپنے ہاں نظم و نسق چل رہا تھا۔ ان اصلاحات کی آخری قسط ۱۹۳۵ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ تھی جس میں پارلیمانی اندازِ حکومت کی طرح ڈالی گئی تھی۔ جب ۱۹۴۷ء میں انگریز نے ہندوستان کو چھوڑا ہے تو یہاں یہی ایکٹ نافذ تھا اور ہمارے ہاں اب تک یہی ایکٹ نافذ ہے) لہٰذا یہاں کا سیاسی نظام انگریزوں ہی کے نقشہ (PATTERN) کا تھا۔ انگریز چلا گیا اور ہمیں یہ نظام ورثہ میں دے گیا۔ ہمیں جمہوری نظام ملا تو تھا ان حالات کے ماتحت لیکن چونکہ (ہر محکوم قوم کی طرح) ہم انگریزوں کی تہذیب و تمدن سے مرعوب تھے۔ اور ان کی ہر ادا کو ابدی صداقت کی مظہر سمجھتے تھے اس لئے ہم نے اس نظام کے متعلق بھی یہ سمجھ لیا کہ یہ بھی وحی منزل کی طرح واجب التسلیم اور فطرت کے اٹل قوانین کی طرح غیر متبدل ہے۔ ہم نے نہ کبھی بیٹھ کر سوچا کہ جمہوریت کہتے کسے ہیں؟ اس کی روح اور حقیقت کیا ہے؟ اس کے اجزائے ترکیبی کون کون سے ہیں۔ اس تخم کے بارآور ہونے کے لئے کس قسم کی زمین اور کس قسم کی فضا درکار ہے۔ اس کے پھلوں کا ذائقہ کیا ہوتا ہے اور تاثیر کیا۔ یہ کن کن امراض میں مفید ہیں اور کون سے حالات میں نقصان رساں۔ ہم نے یہ کبھی یہ کچھ سوچا اور نہ یہ دیکھا کہ ہمارے ملک کے حالات کیسے ہیں اور یہاں کے تقاضے کیا ہیں۔ یہاں کی سیاسی زمین کیسی ہے، اور موسم کس قسم کے۔ مریض کا مزاج کیسا ہے اور افتادِ طبیعت کیسی۔ ہم نے نہ اسے سوچا نہ اسے۔ لیکن (ایک مرعوب ذہنیت کی طرح) عقل و فکر سے کام لئے بغیر اس سیاسی نظام کی پرستش کرنے لگ گئے۔ اور چونکہ ہم (بدقسمتی سے) واقع ہوئے ہیں بے حد متشدد اور جذبات پرست، اس لئے اب حالت یہ ہے کہ جونہی کسی کی طرف سے کوئی ایسی بات سنائی دی جس سے ہمیں اختلاف ہو ہم نے شور مچادیا کہ یہ "خلافِ جمہوریت" ہے۔ یہ شور مچایا اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ جس کے خلاف شور اٹھا ہے وہ کسی بہت بڑے جرم کا مرتکب ہوگیا ہے۔ ایسے جرم کا جس سے کفر اور ارتداد تک لازم آجاتا ہے۔ لہٰذا اسے بہت جلد جمہوریت کی دیوی کے حضور توبہ کرنی چاہیئے ورنہ اس کی دنیا اور عاقبت دونوں خراب ہوجائیں گی۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جمہوریت ہے کیا چیز اور یہ قبا کس قامت پر راس آتی ہے؟ ہم اس وقت اس نظریہ کی پوری تاریخ کو پیش نہیں کرنا چاہتے۔ زیرِ نظر مقصد کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ یورپ میں اس کا عملی تصور سب سے پہلے روسو نے پیش کیا۔ اس نے کہا کہ مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ صرف عوام کو حاصل ہے۔ ان ہی کا "اجتماعی ارادہ" (General Will) آخری سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ اس "اجتماعی ارادہ" کی تعبیر (EXPRESSION) کس طرح سے ہو۔ اس کے لئے اس نے کہا کہ ہر مسئلہ کے متعلق ہر فردِ مملکت کی رائے معلوم کی جائے۔ اور جب یہ سوال پیدا ہوا کہ ایسا کرنا ممکن کیسے ہوگا تو اس نے کہا کہ قوم کے نمائندوں کی اکثریت کا فیصلہ آوازِ خلق کہلائے گا جو "درحقیقت خدا کی آواز ہوتی ہے"۔

نظری حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ تصور بڑا حسین اور خوش آئند ہے کہ لوگوں پر کسی دوسرے کی حکومت نہ ہو بلکہ وہ اپنے امور کا فیصلہ خود اپنی مرضی اور اپنی صوابدید کے مطابق کریں۔ لیکن جب ہم اس کے عملی گوشے کی طرف آتے ہیں تو صاف نظر آجاتا ہے کہ اس تصور کو عملاً متشکل کرنا ایسا آسان نہیں۔ بالفاظِ دیگر: ایک چیز ہے نظریۂ جمہوریت اور دوسری چیز ہے جمہوری نظام کی مشینری۔ نظریہ کے اعتبار سے، جمہوریت ایک بلند نصب العین ہے، لیکن اس نصب العین تک پہنچا نہیں جاسکتا جب تک جمہوری مشینری ایسی نہ ہو جس کے ایک ایک پرزے میں جمہوریت کی روح سرایت نہ کرچکی ہو۔ اس کے لئے سب سے پہلی (اور بنیادی) شرط یہ ہے کہ اس ملک میں سیاسی شعور اس حد تک بیدار ہوچکا ہو کہ ہر ووٹر اچھی طرح سے سمجھے کہ میری ذمہ داری کیا ہے اور ووٹ کتنی اہم قدر ہے۔ یہ چیز حاصل نہیں ہوسکتی جب تک اس ملک کے عوام صدیوں سے ملک کی سیاست سے متمسک نہ چلے آرہے ہوں اور اتنے لکھے پڑھے نہ ہوں کہ وہ ملکی اور بین الاقوامی حالات و کوائف سے باخبر رہ سکیں۔ دوسری طرف جب تک منتخب شدہ اراکین کا قومی کیریکٹر اتنا بلند نہ ہو کہ وہ اس امانت کی پوری پوری حفاظت کرسکیں جو ان کے سپرد ہوئی ہے اور اگر کسی وقت دیکھیں کہ وہ بعض حالات کی بنا پر اپنی ذمہ داری سے کماحقہٗ عہدہ برا نہیں ہوسکتے تو وہ از خود اپنے ووٹرز سے آکر کہہ دیں کہ ہم تمہاری نمائندگی کے قابل نہیں رہے، تم ہماری جگہ دوسرے افراد منتخب کرلو۔ جن ممالک میں اس وقت جمہوری نظام رائج ہے ان میں انگلستان کو سب سے بلند مقام حاصل ہے۔ ان کے عوام کا سیاسی شعور بڑی حد تک بیدار ہوچکا ہے۔ وہاں ابتدائی تعلیم لازمی ہے اس لئے وہاں کا کوئی ایک فرد بھی ان پڑھ نہیں ہوتا۔ ان کی قومی روایات صدیوں سے ایک خاص نہج پر چلی آرہی ہیں جس سے وہاں ایک ایسی فضا پیدا ہوچکی ہے جو جمہوریت کے لئے بڑی سازگار ہوتی ہے۔ پھر وہاں کے اربابِ حل و عقد کا قومی کیریکٹر بلند ہوچکا ہے کہ وہ قومی مفاد کو اپنے ذاتی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں آپ کو یاد ہوگا کہ پچھلے دنوں جب ان کے ایک فنانس منسٹر نے بجٹ پیش کرنے سے چند منٹ پہلے کسی سے کوئی ایسی بات کہہ دی جس کے متعلق اسے خود ہی بعد میں احساس ہوا کہ میں نے یہ بات قبل از وقت کہہ دی ہے تو اس نے پارلیمان کے سامنے بجٹ پیش کرنے کے بجائے یہ کہہ کر اپنا استعفیٰ پیش کردیا کہ میں اس کا اہل نہیں کہ قوم کی اتنی بڑی امانت میری تحویل میں رہے۔ اس کے لئے مجھ سے بہتر کیریکٹر کے آدمی کی ضرورت ہے۔ یہ ہیں اس ملک کے حالات جہاں جمہوری نظام رائج ہے، لیکن اس کے باوجود وہاں کے سیاسی مفکرین شکوہ سنج ہیں کہ ہمارے ہاں جمہوریت نہیں ہے۔ پروفیسر (SUSAN STEBBING) نے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ

> مغربی ممالک میں اس وقت تک جمہوریت کے متعلق صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یہاں جمہوریت کی سیاسی مشینری نصب ہوسکی ہے۔

(RENE GUENON) اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ

> اگر لفظ جمہوریت کی تعریف یہ ہے کہ لوگ خود اپنی حکومت آپ قائم کریں تو یہ ایک ایسی چیز کا بیان ہے جس کا وجود ناممکنات سے ہے اور جو نہ کبھی پہلے وجود میں آئی ہے اور نہ آج کہیں موجود ہے..... جو لوگ کسی نہ کسی طرح اقتدار حاصل کر لیتے ہیں ان کی سب سے بڑی قابلیت اس میں ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں یہ عقیدہ قائم کر دیں کہ ان پر کوئی حاکم نہیں۔ عام رائے دہندگی کا اصول اس فریب کی خاطر وضع کیا گیا ہے۔ اس اصول کی رُو سے سمجھا یہ جاتا ہے کہ قانون اکثریت کی مرضی سے وضع ہوتا ہے۔ اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اکثریت کی مرضی ایسی شے ہے جسے نہایت آسانی سے ایک خاص رُخ پر بھی لگایا جا سکتا ہے اور بدلا بھی جا سکتا ہے۔

ایک دوسرا سیاسی مفکر (H. L. MENCKEN) لکھتا ہے کہ

> مختلف اسالیب حکومت میں سب سے زیادہ ناکام نظام جمہوریت رہا ہے۔ جمہوری نظام کے ارباب حل و عقد خوب جانتے ہیں کہ حکومت کی بنیاد معقولیت پر ہونی چاہیئے لیکن ان کا جذبۂ محرکہ کبھی معقولیت پسندی پر نہیں ہوتا۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ جو عنصر بھی باہر سے زیادہ دباؤ ڈال سکے اسی کا ساتھ دیا جائے۔ چنانچہ اس ہتھکنڈے سے وہ ان لوگوں کے توسط سے جو فی الحقیقت پبلک کے دشمن ہوتے ہیں غیر مختتم عرصہ تک برسر اقتدار رہتے ہیں۔

حتیٰ کہ پروفیسر (A. C. EWING) نے تو یہاں تک کہدیا کہ

> اگر روسو عصر حاضر میں جمہوری نظام کے عملی تجربہ سے پہلے اپنی کتاب نہ لکھتا تو وہ نظام جمہوریت کے متعلق کبھی ایسی خوش فہمی سے کام نہ لیتا۔

یہ حالت ہے جمہوریت کی ان ممالک میں جہاں صدیوں سے جمہوری نظام رائج ہے اور جہاں عوام و خواص کے شعور اور کردار کی سطح وہ ہے جس کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے برعکس، اپنے ملک کی حالت کو دیکھئے۔ سب سے پہلی چیز تو یہ کہ ہمیں آزادی ملے کل سات سال ہوئے ہیں اور وہ آزادی بھی ایسی ہے جس میں ہم پر آئین وہی مسلط ہے جو ہمارے عہدِ غلامی میں ایک غیر حکومت نے ہمارے سر تھوپا تھا۔ ہمارے عوام کی حالت یہ ہے کہ ان میں قریب نوّے فی صدی ان پڑھ ہیں۔ ان کی اقتصادی حالت یہ ہے کہ کراچی جیسے دار السلطنت میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ کھلے آسمان کے نیچے سڑکوں کے کنارے فٹ پاتھ پر سونے کے لئے مجبور ہیں۔ اور جنہیں چھت نصیب ہے وہ بھی فکرِ معاش سے اس قدر پریشان ہیں کہ انہیں کچھ اور سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ ان کی بیشتر اکثریت ایسی ہے کہ انہیں روٹی کا ٹکڑا دکھا کر ان سے جو جی میں آئے کرایا جا سکتا ہے۔ باقی رہے خواص سو ان کے متعلق بالعموم جتنا کم کہا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ ان کی طرف سے آئے دن اس قسم کے قومی کردار کے مظاہرے ہوتے رہتے ہیں جن پر قوم کی قسمت روتی اور دنیا ہنستی ہے۔ آپ سوچئے کہ اس قسم کے ملک اور اس قسم کے حالات میں۔ انگلستان اور امریکہ کے جمہوری قالب (DEMOCRATIC PATTERNS) کی باتیں کرنا خود فریبی اور حقائق فراموشی نہیں تو اور کیا ہے؟

جہاں تک جمہوریت کے عملی تجربہ کا تعلق ہے اس کی زندہ مثال ہمارے سامنے ہے۔ یہاں تشکیلِ پاکستان سے بھی پہلے ایک مجلس آئین ساز وجود میں آئی تھی جس کے متعلق اب لوگوں کو اتنا بھی یاد نہیں کہ اس کے ممبروں کو کس نے منتخب کیا تھا اور وہ کس طرح ایوانِ مجلس میں پہنچ گئے تھے۔ سات سال کے عرصہ میں اس اسمبلی نے جو کچھ کر کے دکھایا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ اس کے نام تک سے بیزار ہو چکے تھے لوگ ہزار جان سے چاہتے تھے کہ کسی طرح اس کابوس کو اپنے سینے سے ہٹا کر الگ کریں۔ لیکن انہیں بتایا جاتا تھا کہ جمہوری مشینری کی رُو سے تم ایسا کر ہی نہیں سکتے۔ وہ حیران تھے کہ یہ کس قسم کی جمہوریت ہے جس میں ہم ایک شخص کو اپنا نمایندہ تو بنا سکتے ہیں لیکن جب ہمیں اس پر اعتماد نہ رہے تو اپنی نمایندگی سے الگ نہیں کر سکتے! وہ پوچھتے تھے ان سے جن سے وہ پوچھ سکتے تھے کہ تم تو کہتے تھے کہ جمہوریت کے معنی ہیں "عوام کی منشاء کے مطابق حکومت"۔ لیکن یہاں حالت یہ ہے کہ عوام چیخ رہے ہیں اور ان کی کوئی سنتا ہی نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اُن سے یہی کہا جاتا تھا کہ نہیں! یہ اسمبلی تمہاری منشاء کے مطابق قائم ہے۔ اس کے ممبر تمہارے صحیح نمایندہ ہیں۔ اس کا مرتب کردہ آئین خود تمہارا بنایا ہوا آئین سمجھا جائے گا۔ تمہیں اپنے بنائے ہوئے زنداں میں محبوس رہنا پڑے گا۔ تم نے اس "جن" کو بوتل سے نکالا کیوں تھا؟ جب اس اسمبلی کے توڑنے کا اعلان ہوا ہے تو لوگوں نے گھی کے چراغ جلائے۔ لیکن اس کے اراکین ہیں کہ ابھی تک مُصر ہیں کہ ہم لوگوں کے نمایندے ہیں۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ گورنر جنرل کا یہ اقدام قانونی طور پر صحیح تھا یا نہیں۔ سندھ کی چیف کورٹ نے فیصلہ دیا ہے کہ ان کا یہ اقدام قانوناً صحیح نہیں تھا۔ اس فیصلہ کے خلاف اب عدالت عالیہ میں مرافعہ ہوا ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ اب عدالت عالیہ کے زیر غور ہے اور وہی اس کی قانونی حیثیت کو متعین کر سکنے کی مجاز ہے۔ ہم کہنا صرف یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک میں جمہوری مشینری کے تماشے کا پہلا سین اس طرح سامنے آیا ہے اور اس کا پہلا تجربہ اس طرح ہوا ہے۔

ان کوائف کی روشنی میں آپ غور کیجئے کہ اگر ہم اپنے ملک کی موجودہ حالت میں اس سطح کی جمہوریت کو نافذ کر لیں جو انگلستان یا امریکہ میں رائج ہے تو اس ملک کا حشر کیا ہوگا؟ اس ملک میں ضرورت اس کی ہے کہ جمہوریت کو ایک نصب العین کی حیثیت سے تو سامنے رکھا جائے لیکن اس کی مشینری یہاں کے حالات کے مطابق نصب کی جائے اور اس طرح ابتداء کر کے بعد بعد حالات کی تبدیلی کے ساتھ اس میں ایسی تبدیلیاں کرتے چلے جائیں کہ وہ جمہوریت کی روح کا بھی ساتھ دیتی جائیں اور ہمارے اجتماعی اور انفرادی تقاضوں کا بھی۔ ہمارے ہاں کی جمہوری مشینری میں اس قسم کی گنجائش کا رکھنا نہایت ضروری ہے کہ اگر کسی وقت میں بھی دیکھا جائے کہ قوم کے نمایندے ملت کے مفاد کا تحفظ اور قوم کی صحیح نمایندگی نہیں کر رہے، تو انہیں بلا دقت اقتدار کی کرسیوں سے الگ کر کے ان کی جگہ دوسرے نمایندے لائے جا سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اگر ہماری جمہوری مشینری کا نقشہ، دوسری جمہوریتوں سے کچھ مختلف بھی ہو جائے تو اس کا قطعاً خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ دنیا ہمیں کیا کہے گی۔ ہمیں اپنے حالات اور اپنے مفاد کو دیکھنا چاہیئے نہ یہ کہ دنیا کیا کہتی ہے آزادی کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ ہم اپنے مقاصد، اپنے حالات، اپنے مفاد، اپنے تصورات، اپنے مقتضیات کو سامنے رکھ کے اپنے لئے آئین بنائیں۔ اگر ہم "دنیا کیا کہے گی" کے جذبہ سے مرعوب ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سیاسی طور پر بیشک آزاد ہیں لیکن ذہنی طور پر ابھی تک غلام ہیں۔ یہی وہ ذہنی غلامی اور بے راہ روی ہے جس کی طرف قرآن نے یہ کہہ کر توجہ دلائی ہے کہ وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۶/۱۱۷) اگر تو دنیا کی اکثریت کی بات مانتا رہا تو وہ تجھے خدا کے صحیح راستے سے گمراہ کر دیگی۔

سطور بالا میں ہم نے صرف پاکستان کے موجودہ حالات کے ماتحت جمہوریت سے بحث کی ہے۔ آیندہ اشاعت میں ہم یہ بتائیں گے کہ قرآن کی رُو سے جمہوری نظام کی حیثیت کیا ہے

کام کی رفتار

قریب قریب ہر روز استفسارات موصول ہوتے رہتے ہیں کہ محترم پرویز صاحب کے قرآنی لغت اور ترجمہ کا کام اب کس منزل میں ہے اور ان کی اشاعت کی کب تک توقع کی جائے ہمیں مستفسرین کے اضطراب کا پورا پورا احساس ہے اور ہم ان سے بھی زیادہ منتظر و مشتاق ہیں کہ یہ کام (جو درحقیقت قرآن کے سمجھنے میں ایک گراں بہا کام ہے) جلد از جلد تکمیل تک پہنچ جائے یہ بتانے سے پہلے کہ یہ کام اب کس مرحلے میں ہے، ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ نہ تو زیر ترتیب لغت ہی عام معنوں میں لغت ہے اور نہ ہی ترجمہ محض ترجمہ۔ پرویز صاحب نے لغت میں یہ انداز رکھا ہے کہ ہر لفظ کے بنیادی معانی متعین کرنے کے بعد ان آیات کی رُو سے جن میں وہ لفظ آیا ہے یہ بتایا جائے کہ قرآن کی پوری تعلیم کی روشنی میں وہ لفظ کس قسم کا تصور (CONCEPT) پیش کرتا ہے۔ گویا یہ لغت، قرآنی الفاظ کے معانی ہی نہیں سمجھائے گا بلکہ یہ بھی بتائے گا کہ ان الفاظ کے قرآنی تصورات کیا ہیں۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے تنہا اس لغت کو پڑھ لیا تو قرآنی تعلیم کا پورا تصور اس کے سامنے آ جائے گا۔ اور خود یہ الفاظ قرآن کے مشکل مقامات کا حل پیش کرتے چلے جائیں گے۔ اس نقشے کے مطابق آپ خود سمجھ لیجئے

یہ لغت کیا چیز ہوگی اور اس کی تدوین میں کس قدر محنت اور وقت درکار ہوگا۔

اب رہا ترجمہ سو وہ بھی ترجمہ نہیں۔ یہ وہ چیز ہے جسے انگریزی میں (PARA PHRASING) کہتے ہیں۔ یعنی ان تصورات کی روشنی میں جو مذکورہ صدر لغت میں متعین کئے جائیں، قرآنی آیات کا ایسا رواں مفہوم بیان کر دیا جائے جو قرآنی الفاظ سے بھی باہر نہ جائے اور اپنا مطلب آپ سمجھا دے۔ آپ کو یہ سن کر شاید تعجب ہوگا کہ اس طرح پورے کے پورے قرآن کا یہ ترجمہ (یا مفہوم) ایک مسلسل کتاب کی شکل میں سامنے آجائے گا جس میں شروع سے اخیر تک ربط ہوگا اور قرآن کا مفہوم بغیر خارجی امداد کے آئینے کی طرح روشن ہوتا جائے گا۔ اس ترجمہ کا کام مکمل ہو چکا ہے اور اب اس پر نظر ثانی ہو رہی ہے۔ لیکن یہ ترجمہ شائع نہیں ہو سکتا جب تک۔ اس کے ساتھ لغت شائع نہ ہو جائے کیونکہ اس کی سند لغت ہی سے مل سکے گی۔ لغت کی تیاری میں نصف سے زائد کام ہو چکا ہے۔ محترم پرویز صاحب نے (انہی مقاصد کے پیش نظر) اپنی ملازمت سے قبل از وقت فراغت حاصل کر لی ہے اور اب وہ اپنا سارا وقت انہی چیزوں میں صرف کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی مصروفیات (جو پہلے ہی کچھ کم نہ تھیں اب) طلوع اسلام کے ہفتہ وار ہونے سے اور بھی بڑھ گئی ہیں۔ بایں ہمہ، انہوں نے ان مصروفیات کو لغت اور ترجمہ کے کام پر اثر انداز نہیں ہونے دیا اور وہ برابر ایک جوئے رواں کی طرح مسلسل آگے بڑھ رہا ہے۔ انہوں نے اسے اپنی زندگی کا مقصد قرار دے رکھا ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ جب یہ عظیم مقصد تکمیل تک پہنچ گیا (اللہ تعالیٰ انہیں اس کی تکمیل کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے) تو یہ ہمارے دور کا ایک گراں بہا کارنامہ ہوگا۔ ان کا ارادہ یہ ہے کہ (کم از کم) ترجمہ کو انگریزی زبان میں شائع کیا جائے۔ اور اس کے ساتھ اس کے مفہوم کو عربی میں پیش کیا جائے تاکہ مغربی اقوام اور دیگر اسلامی ممالک کے مسلمان بھی دیکھ سکیں کہ قرآن کیا چیز ہے اور وہ انسانی زندگی کے تقاضوں کا حل کیا پیش کرتا ہے۔ لغت اور ترجمہ کی تدوین کے بعد ان کی اشاعت کا سوال درپیش ہوگا لیکن اس کے متعلق ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ اس ضمن میں یہ بتانا بھی غیر محل نہ ہوگا کہ "نظام ربوبیت" آج کل پریس میں ہے۔ لیکن ہمارے پریسوں کی جو حالت ہے اس کا اندازہ وہی حضرات لگا سکتے ہیں جنہیں کبھی ان سے سابقہ پڑا ہو۔ اس لئے ہم یقینی وعدہ نہیں کر سکتے کہ یہ عظیم کتاب کتنے دنوں تک باہر آسکے گی۔ کتاب کچھ غیر معمولی ضخیم نہیں۔ لیکن غیر معمولی عظیم ضرور ہے۔ اس کے مضامین کا کچھ کچھ اندازہ وہ حضرات لگا سکتے ہیں جنہیں پرویز صاحب کے ہفتہ واری قرآنی خطبات کے سننے کا موقع ملتا ہے۔ (یہ خطبات خود ان کے مکان ۲۳/۱ فاؤلرز لائن۔ نیپیئر بارکس پر ہر اتوار کی صبح ...... نو بجے ہوتے ہیں)

معارف القرآن کی اگلی (یعنی پانچویں) جلد چھپنے کے لئے بالکل تیار رکھی ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جس کا عنوان ہے "انسان نے کیا سوچا؟" یہ کتاب نہیں ایک انسائیکلوپیڈیا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ انسان نے، تنہا عقل کی رو سے زندگی کے مختلف مسائل کے متعلق، آج تک کیا سوچا ہے؟ اور آج انسانی فکر اس باب میں کس مقام پر کھڑا ہے۔ اس کے بعد (اگلی جلد میں) یہ بتایا جائے گا کہ انہی سوالات کے متعلق "خدا نے کیا کہا" ہے۔ دونوں کے تقابل سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائے گی کہ زندگی کے مسائل کے حل کے لئے انسانی عقل کو وحی کی ضرورت کیوں ہے؟

معارف القرآن کی دوسری جلد کے نئے ایڈیشن (ابلیس و آدم) کے بعد، اب اس کی تیسری جلد کے نئے ایڈیشن کے اشاعت کی بھی تیاری ہو رہی ہے۔ تیسری جلد حضرات انبیاء کرام کے تذکار جلیلہ پر مشتمل تھی لیکن چونکہ کتاب بہت ضخیم تھی اس لئے اب اسے (نظر ثانی کے بعد) دو الگ الگ حصوں میں شائع کیا جائے گا۔ اس کے پہلے حصے (جوئے نور) کی کتابت قریب قریب ختم ہو چکی ہے۔

اسی اثنا میں، پرویز صاحب کے مختلف مضامین کا مجموعہ (فردوس گم گشتہ کے عنوان سے) الگ شائع ہو رہا ہے۔ کتاب کی جلد بندی ہو رہی ہے اور امید ہے یہ بہت جلد دعوت شادابی نگاہ ہو جائے گی۔ کتاب کی تیاری کے بعد ہم اس کے عنوانات شائع کریں گے جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ اس گلدستہ میں کس کس قسم کے گلہائے رنگا رنگ آگئے ہیں۔ اس کے بعد علامہ اقبال کے متعلق پرویز صاحب کے مختلف مضامین اور تقاریر کا مجموعہ شائع ہوگا۔ اقبال کا پیغام اور پرویز صاحب کا بیان ——— آپ خود ہی اندازہ لگا لیجئے کہ یہ مجموعہ کیا ہوگا۔ ہم کوشش کریں گے کہ یہ مجموعہ آئندہ یوم اقبال تک شائع ہو جائے۔

یہ ہے پیش نظر کام کا ایک اجمالی سا تعارف۔ اگر اللہ کی توفیق اور آپ کا تعاون ہمارے شامل حال رہا تو یہ سب کچھ آہستہ آہستہ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

کوائف پاکستان

ترکی اور پاکستان کا معاہدہ ہونے سے پیشتر گورنر جنرل مسٹر غلام محمد ترکی گئے تھے۔ معاہدہ طے پانے کے بعد وزیر اعظم مسٹر محمد علی ترکی گئے تھے۔ گورنر جنرل کا دورہ ترکی معاہدے کی تمہید تھی اور وزیر اعظم کا دورہ اس کا استحکام۔ اس سلسلے کی اگلی کڑی جناب جلال بایار، صدر جمہوریہ ترکیہ، کا ورود پاکستان ہے۔

ازمیر سے روانہ ہوتے وقت جناب بایار نے فرمایا کہ وہ وطن چھوڑتے ہوئے مغموم ہو جایا کرتے ہیں لیکن پاکستان کے لئے روانہ ہو کر وہ ایسا محسوس کر رہے ہیں کہ وہ اپنے بھائی کے ہاں جا رہے ہیں۔ مسلمانان پاکستان کو ترکی سے والہانہ محبت ہے اور یہ پہلا موقع ہے کہ ترکی کا ایسا بطل جلیل ان کے ہاں مہمان آیا ہے۔ جناب بایار ترکی کی جنگ آزادی کے سپاہی ہی نہیں ترکی جدید کی تعمیر و ترقی میں انہوں نے قابل قدر خدمات سر انجام بھی دی ہیں۔ ان کا یہ دس دن کا دورہ نہ محض ترکی اور پاکستان کو قریب تر کر دے گا بلکہ عالم اسلامی کے لئے دور رس نتائج کا حامل ہوگا۔

نکات چہارگانہ

جنرل اسکندر مرزا جنہوں نے یہ جرأت مندانہ اعلان کر کے کہ وحدت مغرب اور تجدید آئین کا کام جاری رہے گا، ملک کا حوصلہ بڑھا دیا تھا، انہوں نے ۱۰ر فروری کو کراچی میں ایک تقریر میں موجودہ حکومت کے پروگرام کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اس حکومت کے سامنے چار مقصد ہیں۔ اول، اصلاح نظم و نسق۔ دوم، وحدت مغربی پاکستان۔ سوم، تسوید آئین۔ چہارم، انتخابات عمومی کی تیاری۔ جب یہ مقاصد پورے ہو جائیں گے حکومت ملک کو نئی حکومت مرتب کرنے کا پورا موقع دے گی۔ حکومت جانے سے پہلے ان مقاصد کی تکمیل ضرور کرے گی۔ یہ بیان اپنی جگہ بڑا واضح ہے

۷ار فروری کو ڈھاکہ میں تمام نہاد متحدہ محاذ کی پارلیمانی پارٹی کا جو جلسہ منعقد ہوا، اس کی تفصیل "حقائق و عبر" میں بیان کر دی گئی ہے۔ غضب یہ ہے کہ ۱۹۲ ممبران اسمبلی جلسہ کرتے ہیں لیکن بیرونی دنیا کو ایسی متضاد اطلاعیں ملتی ہیں کہ پتہ نہیں چلتا کہ اس جلسے میں کیا کارروائی ہوئی۔ حامیانِ فضل الحق بغلیں بجا رہے ہیں کہ ان کا پلڑا بھاری رہا۔ عوامی لیگ والے کراچی و لاہور تک سے پیغام تہنیت بھیج رہے ہیں کہ بالآخر فضل الحق کی شکست ہوئی۔ اس جلسے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی ہے کہ صوبے کا اقتدار ان لیڈروں کو سونپا نہیں جا سکتا۔ اجلاس سے پیشتر وزیر اعظم دو ایک روز کے لئے ڈھاکے گئے تھے۔ انہوں نے بجا طور پر فرمایا تھا کہ جب تک متحدہ محاذ کا سر پھٹول ختم نہیں ہو جاتا صوبے سے متعلق کسی نتیجہ کا فیصلہ دشوار ہے۔ بہرحال انہوں نے اعلان کیا ہے کہ اس سلسلے میں مارچ کے پہلے ہفتے میں مناسب اعلان کر دیا جائے گا۔ اب کہا جا سکتا ہے کہ جب تک متحدہ محاذ کا ڈھونگ باقی ہے اور مشرقی پاکستان اسمبلی کے یہی ارکان ہیں پارلیمانی احیاء کا سوال خارج از بحث ہے۔

کاتب کی ضرورت

طلوع اسلام کیلئے ایک اچھے کاتب کی ضرورت ہے، خط کا معیار لمعات (صفحہ ۳) جیسا ہونا چاہیئے۔ خواہشمند خط کے نمونے کے ساتھ ناظم ادارہ سے ملاقات کریں۔

عالمِ اسلامی

کرنل ناصر جنہیں پاک ترکی معاہدہ ایک آنکھ نہیں بھایا اور جو عراق اور ترکی کے مجوزہ معاہدے پر اس قدر چراغ پا ہوئے کہ عرب لیگ تک توڑنے پر تیار نظر آنے لگے، وہ پنڈت نہرو سے بڑی عقیدت اور دلی محبت رکھتے ہیں۔ انھیں ان دنوں دلچسپی پر پنڈت جی کا خاص طور پر انتظار تھا کیونکہ وہ انھیں عرب ممالک کو ترکی اور پاکستان کا دوست بننے سے روکنے میں استعمال کرنا چاہتے تھے۔ یا للعجب!

پنڈت نہرو نے کرنل ناصر سے قاہرہ میں ملاقات کرنے کے بعد کہا کہ وہ دونوں ایک ہی طرح سوچتے ہیں اور ایک ہی لائحۂ عمل پر کاربند ہیں۔ کرنل ناصر نے اس پر ذرہ بھر عار محسوس نہیں کی اور اس کی پوری تائید کی۔ یہ تو خیر کرنل ناصر کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ پنڈت جی کے حلقہ بگوش ہیں لیکن تعجب اور افسوس اس پر آتا ہے کہ وہ دوسروں کو بھی مجبور کرتے ہیں کہ وہ بھی اسی طرح ہندوستان کے حلقہ بگوش بن جائیں اس پر دعویٰ یہ کہ مصر غیر جانبدار ہے۔ پنڈت جی نے پچھلے دنوں مصر کو مارشل ٹیٹو کا تحفہ بھیجا اور قیادت کا انہیں سبز باغ دکھایا۔ مارشل ٹیٹو ہندوستان کا دورہ ختم کر کے واپس وطن جاتے ہوئے کرنل ناصر سے بھی ملتے گئے۔ اس سے کرنل صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ بس یوگوسلاویہ، مصر اور ہندوستان کا ایک ایسا غیر جانبدار بلاک قائم ہو گیا ہے جس کے سامنے سارا عالم جھک جائے گا۔

ہوسِ قیادت

ایک طرف غیر جانبداری کے یہ دعوے ہیں اور دوسری طرف مصر کی ہاں میں ہاں ملانے والے سعودی عربیہ کے وزیر اعظم فرماتے ہیں کہ سعودی عربیہ کو مغرب سے فوجی مدد لینے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا بشرطیکہ یہ مدد عرب لیگ کے مشترکہ معاہدہ دفاع کے دستخط کنندگان کو بہ حیثیت مجموعی ملے اور انہیں بیرونی حلقہ بندیوں میں نہ الجھایا جائے۔ یہ حکمتِ عملی غیر جانبداری کی نقیض ہے۔ اس سے اس اندرونی کشمکش کا پتہ چلتا ہے جو مصر اور سعودی عربیہ کے سینوں میں متلاطم ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اقوام مغرب سے مدد لئے بغیر گذارہ مشکل ہے۔ لیکن انہیں یہ ڈر ہے کہ اگر انہوں نے اپنی مدد لے لی تو ان کے ہمسائے بھی مدد لے لیں گے اور اس طرح وہ مضبوط و مستحکم ہو جائیں گے۔ لہٰذا ان کی کوشش یہ ہے کہ مغرب کی طرف سے جو مدد ملے وہ ان کی وساطت سے ملے تاکہ وہ اپنی قیادت دوسروں پر مسلط کئے رکھیں۔

قاہرہ کی کانفرنس کا جو حسرتناک انجام ہوا ہے اس سے مصر کے وقار کو بڑا صدمہ پہنچا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کی آنکھیں کھل جائیں، مصالحت کی کوششیں ابھی تک ہو رہی ہیں اور بعض اطلاعات سے مترشح ہوتا ہے کہ مصر اپنا رویہ تبدیل کرے گا۔ مصر کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ عراق اس کے دباؤ میں نہیں آیا وہ ترکی سے معاہدہ کرنے پر مُصر ہے۔ جناب جلال بابا ۴ر مارچ کو عراق پہنچ رہے ہیں۔ اس کے بعد معاہدہ پر دستخط ہو جانے کی توقع ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ شاہ اردن تین دن کا عراق کا دورہ کر چکے ہیں۔ ان کا دورہ نجی تھا تاہم انہوں نے سیاسی صورتِ حال پر تبادلۂ خیالات کیا ہے۔ اب وہ تین دن کے لئے مصر جا رہے ہیں۔ ان کا عراق آنا اور اس کے بعد مصر جانا خالی از علت نہیں۔

مساعی مفاہمت

شاہ اردن عراق اور مصر میں مفاہمت کرا سکیں گے یا نہیں۔ وہ صحیح صورتِ حال کو بہتر طریق سے ضرور سمجھ سکیں گے۔ اس واقفیت کے بعد جب وہ ۵ر مارچ کو پاکستان آئیں گے تو وہ پاکستان سے تعلقات کی استواری کو صحیح پس منظر میں دیکھ سکیں گے۔ عراق کے سابق وزیر اعظم فاضل جمالی بھی دوروں میں مصروف ہیں۔ وہ سرکاری طور پر ۱۳ر فروری کو بیروت گئے ان کا خیال دمشق جانے کا بھی تھا بشرطیکہ اس اثناء میں شام میں نئی حکومت قائم ہو جائے۔ چونکہ فارس الخوری کی حکومت کی بجائے اب شام میں اصالی کی حکومت مرتب ہو گئی ہے اس لئے اب فاضل جمالی ضرور شام جائیں گے۔ ان کے یہ دورے عربی معاملات سے متعلق بتائے جاتے ہیں۔ گویا عراق اس کوشش میں مصروف ہے کہ عرب کسی معقول اور قابلِ عمل پروگرام پر متحد ہو جائیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب تک مصر اپنی قیادت کے لئے مُصر رہیگا۔

اندرونِ ہند

روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی اس جمعیۃ العلمائے ہند کا نقیب ہے جو تقسیم سے پہلے بھی کانگرس کی مؤید تھی اور اب بھی کانگرس کی مؤید ہے۔ لیکن مسلمانانِ ہندوستان کے ساتھ جو ظلم ہندوستانی حکومت کے مختلف محکمے روا رکھتے ہیں اسے دیکھ دیکھ کر یہ وفادار ازلی اور خوگرِ حمد بھی شکایت پر مجبور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے کالموں میں مسلمانوں سے ناانصافی کی شکایات اکثر و بیشتر ملتی ہیں۔ ابھی دنوں اخبار مذکور نے "کسٹوڈین کا انصاف" کے عنوان سے ایک اداریہ سپردِ قلم کیا ہے جو کسی تبصرے کا محتاج نہیں اور جس سے ہندوستان کے مسلمانوں کی کس مپرسی اور مظلومیت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ جاتا ہے۔ ذیل میں ہم اس کا ملخص پیش کرتے ہیں۔

"محکمہ کسٹوڈین نے ہندوستان کے مسلمانوں کو جس قدر تکلیف پہنچائی ہے اور جس حد تک انہیں پریشان کیا ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔ کسٹوڈین نے غیر نکاسی مسلمانوں کے ساتھ سخت ظلم کیا ہے اور ان کی جائیدادوں کو ہضم کرنے کے لئے قانون و انصاف کی دھجیاں اڑائی ہیں، اس دعوے کے ثبوت میں بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں اور نمونہ کے لئے وہی مثالیں کافی ہیں۔ جن سے معلوم ہوگا کہ بہت سے مسلمان اپنے گھروں میں رہتے ہوئے نکاسی بنا دیئے گئے اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان سے ان ہی کے مکانوں کا کرایہ بھی طلب کیا گیا!

ان تازہ ترین کیسوں میں پہلا کیس حاجی محمد صالح صاحب ولد حاجی عبدالغفار صاحب حاجی علی جان والوں کا ہے۔ حاجی صاحب کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ ۴۰ سال تک قومی تحریکات میں حصہ لیتے رہے۔ وہ شروع سے ہی جمعیۃ العلمائے ہند کے خزانچی بھی رہے ہیں اور آج تک ہیں۔ ان کا ایک مکان ہے جو انھیں اپنی والدہ سے ورثہ میں ملا ہے اور جس پر ان کا قبضہ ۲۵ سال سے ہے، مگر وہ مکان کسٹوڈین کی نگاہوں میں آیا اور کسی سابقہ نوٹس کے بغیر اسے نکاسی قرار دیدیا گیا۔ انڈین لمیٹیشن ایکٹ کی رو سے وہ شخص جائیداد کا مالک تصور کیا جاتا ہے جس کا قبضہ بیس سال سے زائد رہ چکا ہو۔ حاجی صاحب اپنے مکان پر ۲۵ سال سے قابض ہیں اور اس مکان کا کوئی دوسرا دعویدار بھی موجود نہیں ہے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ حاجی صاحب کی اپیل خارج کر دی گئی۔ نہ میونسپلٹی کی رسیدوں کا اعتبار کیا گیا، نہ ہاؤس ٹیکس کی رسیدوں کو قبول کیا گیا اور نہ ۲۵ سال کا قبضہ ہی عدالت کو مطمئن کر سکا، حیرت ہے، سخت حیرت، ایا مظہر العجائب والغرائب!

دوسرا کیس شیخ محمد اسحاق ولد حاجی صبغت اللہ کا ہے ان کی جائیداد پر بھی بغیر کسی اطلاع کے کسٹوڈین نے قبضہ کر لیا۔ لطف یہ ہے کہ کسٹوڈین نے ثبوت کے لئے راشن کارڈ طلب کئے اور مالک نے چھ سال کے راشن کارڈ بھی پیش کر دیئے۔ مگر کسٹوڈین کی عدالت نے چھ سال کے راشن کارڈوں کی شہادت کو صرف اس بنا پر رد کر دیا کہ اس میں ایک سال کے راشن کارڈ شامل نہ تھے! یہ ایک سال کے راشن کارڈ صرف اس لئے پیش نہ کئے جا سکے کہ راشن کا محکمہ ٹوٹ چکا ہے، مگر مالک نے اس کی تلافی کے لئے یہ ثبوت پیش کیا کہ وہ صدر بازار میں ایک نکاسی دوکان کا کرایہ دار ہے۔ اور اس کے پاس اس ایک سال کی رسیدات بھی موجود ہیں جس کے راشن کارڈ وہ پیش نہیں کر سکا ہے۔ گویا مالک مکان نے چھ سال کے راشن کارڈ پیش کئے اور ساتویں سال کے لئے دوکان کی رسیدات پیش کیں۔ مگر کسٹوڈین کو یہ سارے ثبوت مطمئن نہ کر سکے۔ مالک کو اس لئے اس کی جائیداد سے محروم کر دیا گیا کہ اس نے چھ سال کے راشن کارڈ تو پیش کئے مگر وہ مئی ۱۹۴۹ء سے مئی ۱۹۵۰ء تک کے راشن کارڈ پیش نہ کر سکا۔

تیسرا کیس محمد عطاء اللہ مرحوم کا ہے۔ ان کا ایک قطعہ اراضی جو سبزی منڈی میں واقع ہے نکاسی قرار دیدیا گیا۔ مقدمہ چلتا رہا۔ مگر وہ ۱۵ر اگست ۱۹۵۲ء کو انتقال کر گئے۔ جب ان کے فرزندوں نے وارث ہونے کی درخواست دی تو وہ نامنظور کر دی گئی۔ اور کسٹوڈین سولہ آنے زمین کی مالک بن بیٹھی عذر یہ کیا گیا کہ دیوانی قوانین کا اطلاق کسٹوڈین کے قوانین پر نہیں ہوتا۔ مگر کیا کسٹوڈین کا کوئی ایسا قانون ہے کہ اگر مالک مر جائے تو اس کے ورثہ کا حق سلب ہو جاتا ہے؟ کتنا بڑا ظلم ہے کہ مرنے والے کے وارث موجود ہوں اور عدالت انہیں اس لئے محروم کر دے کہ کسٹوڈین کی کارروائیوں پر دیوانی قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا۔

تاریخی شواہد

(۴)

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ (۲۳/۲۴)

اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی وہ یہ سن کر لوگوں سے کہنے لگے کہ یہ آدمی اس کے سوا کیا ہے کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے؛ مگر چاہتا ہے کہ تم پر اپنی بڑائی جتائے۔ اگر اللہ کو کوئی ایسی ہی بات منظور ہوتی تو کیا وہ فرشتے نہ اتار دیتا؛ (وہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی کو اپنا پیامبر کیوں بنانے لگا؟) ہم نے اپنے اگلے بزرگوں سے تو کوئی ایسی بات کبھی سنی نہیں۔

اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ یہ تصادم اس سلسلۂ آسمانی کے ساتھ ہر مقام پر رہے گا، جیسا کہ "ابلیس و آدم" میں بتایا جا چکا ہے، ابلیس نے قیامت تک کے لئے مہلت لے رکھی ہے اس لئے خدائی نظام کے ساتھ طاغوتی نظام ہمیشہ برسرِ پیکار رہے گا۔ بقول اقبالؒ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

آگے بڑھنے سے پیشتر ایک اہم نکتہ کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ قرآن نے ان مخالفین کے لئے اَلْمَلَاُ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں وہ لوگ جن کے گھروں میں برتن بھرے رہتے ہوں۔ یعنی وہ جنہیں سامانِ زیست کی فراوانیاں حاصل ہوں۔ جن کے پاس کثرت سے مال و دولت ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی دولت کے زور سے، اقتدار کی کرسیاں حاصل کر لیتے ہیں اور پھر غریب انسانوں سے اپنا حکم منواتے ہیں اس کا نام (دورِ حاضرہ کی اصطلاح میں) نظامِ سرمایہ داری ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ آسمانی انقلاب جس کے داعی حضرات انبیائے کرام تھے، اس غیر خداوندی نظام کو مٹانے کے لئے آتا تھا جس میں رزق کے سرچشمے انسانوں کے قبضے میں رہتے ہیں۔ وہ ان ذرائعِ رزق کو انسانوں کے ہاتھوں سے چھین کر، قانونِ خداوندی کے سپرد کر دیتا ہے، تاکہ اس سے تمام نوعِ انسانی کی پرورش ہو سکے۔ اس انقلاب کی مخالفت سب سے پہلے ان لوگوں کی طرف سے ہوتی ہے جو رزق کے سرچشموں کو اپنے قبضہ میں لئے ہوتے ہیں۔ یہی وہ تصادم ہے جس کا ذکر سب سے پہلی دعوتِ انقلاب کے سلسلہ میں سامنے آ رہا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ...... اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ (۷/۵۹-۶۴)

یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف (تبلیغِ حق کے لئے) بھیجا تھا اس نے کہا، "اے میری قوم صرف اللہ کے قانون کی اطاعت کرو۔ اس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ ایک بڑے ہی ہولناک دن کا عذاب تمہیں پیش نہ آجائے۔

اس پر اس کی قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے جواب دیا کہ ہمیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں پڑ گئے ہو۔

نوح نے کہا: بھائیو! یہ بات نہیں ہے کہ میں گمراہی میں پڑ گیا ہوں میں تو اس کی طرف سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے فرستادہ ہوں۔ میں اپنے پروردگار کا پیغام تم تک پہنچاتا ہوں۔ اور پند و نصیحت کرتا ہوں۔ اور اللہ کی طرف سے اس بات کا علم رکھتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں۔

(نیز نوح نے کہا) کیا تمہیں اس بات پر اچنبا ہو رہا ہے کہ تمہارے پروردگار کا قانون ایک ایسے آدمی کے ذریعہ تمہیں پہنچ رہا ہے جو تم ہی میں سے ہے اور اس لئے پہنچ رہا ہے تاکہ تمہیں اس نافرمانی اور بدعملی کے نتائج سے خبردار کر دے اور تم غلط روشِ زندگی سے محتاط رہو۔ قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرو۔ تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمتوں سے نوازے۔

بایں ہمہ لوگوں نے نوح کو جھٹلایا۔ پس ہم نے اسے اور ان سب کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے (سیلاب سے) نجات دی اور جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں انہیں غرق کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ (اپنی سمجھ بوجھ کھو کر) یک قلم اندھے ہو گئے تھے!

مخالفت کی وجہ بھی سُن لیجئے!

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ...... اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ (۱۱/۲۷-۲۸)

اس پر قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی کہا کہ ہم تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو۔ اور جو لوگ تمہارے پیچھے چلے ہیں ان میں بھی ان لوگوں کے سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا جو ہم میں پچھلے درجے کے ہیں۔ اور بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے ہو لئے ہیں۔ ہم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ سمجھتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔

نوح نے کہا۔ اے میری قوم کے لوگو! تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیلِ روشن ہوں اور اس نے اپنے پاس سے اپنی رحمت بھی عطا کر دی ہو۔ مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے تو (میں اس کے سوا کیا کر سکتا ہوں جو کر رہا ہوں؟) یہ تو ہم کر نہیں سکتے کہ اسے زبردستی تمہارے گلے منڈھ دیں۔

سورۂ شعراء میں ہے۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ (۲۶/۱۱۱)

(قوم کے سرداروں نے کہا) کیا ہم تمہاری باتوں پر (اے نوح) یقین کریں۔ حالانکہ (ہم دیکھ رہے ہیں کہ صرف) کمینے (نچلے درجے کے) لوگ تمہارے پیچھے ہو لئے ہیں؟

ان آیات پر غور فرمائیے۔ مخالفت اس طبقہ کی طرف سے ہوئی جو صاحبِ دولت و ثروت تھا۔ اور جو بات مخالفت میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کیا ہم اس جماعت کے ساتھ ہو جائیں جو رذیل لوگوں پر مشتمل ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ حق و صداقت کی دعوت پر لبیک، سب سے پہلے غریب طبقہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ اربابِ حکومت و ثروت کے جور و استبداد سے تنگ آچکے ہوتے ہیں۔ اور ہر اس آواز کا بطیبِ خاطر استقبال کرتے ہیں جو انہیں آزادی (اور سچی آزادی کی طرف دعوت دے) اور زندگی کی خوشگواریوں سے ہمکنار کرے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ زمانہ حضرت نوحؑ میں طبقات کی تقسیم وجود میں آچکی تھی۔ یعنی وہ قبائلی زندگی کا ایسا ابتدائی زمانہ نہیں تھا۔ جس میں انسانی عزت و تکریم، دولت و ثروت کے معیار سے ماپی جائے۔

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۲۶/۱۱۲)

(حضرت نوح) نے کہا کہ ان کے (پیشہ اور) کام سے مجھ کو کیا بحث؟

اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ اُس وقت انسانوں کی تقسیم پیشوں کے اعتبار سے وجود میں آچکی تھی جو ذات پات کی تقسیم کا بنیادی پتھر ہے اور جو انسانی مساوات کی جڑ پر ایسی کاری ضرب تھی، کہ یہ لعنت انسانوں سے آج تک دور نہیں ہو سکی۔ حضرات انبیائے کرامؑ کا منصب مساواتِ انسانی کو قائم کر کے عزت و عظمت کا معیار تقویٰ قرار دینا تھا؛ یعنی یہ معیار کہ جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرے اور اس طرح نوعِ انسانی کی پرورش و منفعت کیلئے سب سے زیادہ مفید ثابت ہو، وہی معاشرہ میں سب سے زیادہ عزت و توقیر کا مستحق ہے۔

(باقی)

اسلام کی سرگذشت

(۴)

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ جزیرہ میں رہنے والے عرب دو قسم کے تھے، بدوی اور متمدن، اور یہ کہ بدوی لوگوں کی اکثریت تھی۔ یہ بدوی لوگ ہمیشہ صناعت، زراعت، تجارت اور ملاحت وغیرہ پیشوں کو نظر حقارت سے دیکھتے رہے ہیں ان کی گذر اوقات اس پیداوار پر ہوتی ہے جو ان کو اپنے جانوروں سے حاصل ہوتی ہے۔ معمولی اور سادہ طریق سے ان کا گوشت کھا لیتے ہیں، انکا دودھ پیتے ہیں، ان کی اُون سے اپنے لباس اور اپنے رہنے کے لئے خیمے بنا لیتے ہیں۔ اور جب تنگدستی بہت ستاتی ہے تو سوسمار، گوہ، چھچھوندر اور عو بلا ڈنک کھا لیتے ہیں۔ وہ اپنے جانوروں کو چرانے میں طبعی امور پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ بارش کے موسموں میں جہاں گھاس ملتی ہے جانوروں کو لے کر چرانے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ جب یہ موسم ختم ہو جاتا ہے تو اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں اور انتظار کرتے رہتے ہیں کہ سال گذر جائے اور بارشیں ہوں۔ اگر انہیں اپنے جانوروں کی پیداوار کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو تبادلہ کے طریقہ پر (BARTER) معاملہ کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ جانوروں اور چوپایوں اور ان کی اولاد کے بدلے کھجوریں اور کپڑے لیا کرتے تھے

ایک دوسری قسم بھی ہے جسے انہوں نے وسائل معاش میں سے ایک وسیلہ بنا رکھا تھا۔ یہ لوٹ مار تھی۔ دشمن قبیلہ پر ڈاکے ڈالتے تھے — اور یہ دشمنیاں عموماً ہوتی ہی تھیں — ان کے اونٹ چھین لیتے تھے۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لیجاتے تھے۔ دوسرا قبیلہ بھی موقع کا منتظر رہتا تھا۔ اور جب اس کا بس چلتا تو وہ بھی یہی کچھ کرتا تھا۔ بلکہ جب غیروں میں سے کوئی دشمن نہیں ملتا تھا تو وہ آپس ہی میں لڑنے لگتے تھے، شاید اس کی بہترین تمثیل قطامی کے یہ شعر ہو سکیں ؎

فَمَنْ تَكُنِ الْحَضَارَةُ أَعْجَبَتْهُ　　فَأَيَّ رِجَالِ بَادِيَةٍ تَرَانَا

(جسے تمدنی زندگی پسند آتی ہو اسے چھوڑو۔ میں پوچھتا یہ ہوں کہ تو ہمیں کس قسم کا بدوی سمجھتا ہے۔)

وَمَنْ رَبَطَ الْجِحَاشَ فَإِنَّ فِينَا　　قَنًا سُلُبًا وَأَفْرَاسًا حِسَانَا

(جو اپنے دروازے پر گدھے کے بچے باندھتا ہو ان سے گفتگو نہیں ہے۔ ہمارے یہاں تو سخت لچکدار نیزے اور حسین جمیل گھوڑے ہوتے ہیں۔)

وَكُنَّ إِذَا أَغَرْنَ عَلَى قَبِيلٍ　　فَأَعْوَزَهُنَّ نَهْبٌ حَيْثُ كَانَا

(جب یہ گھوڑے لوگوں کی کسی جماعت پر لوٹ مار کر لیتے ہیں اور جہاں وہ لوٹ مار کرنا چاہتے ہوں وہاں لوٹ مار کرنا مشکل ہو جائے۔)

أَغَرْنَ مِنَ الضِّبَابِ عَلَى حِلَالٍ　　وَضَبَّةَ إِنَّهُ مَنْ حَانَ حَانَا

(تو وہ ضباب کے پڑوسیوں پر اور خود ضبۃ پر لوٹ مار شروع کر دیتے ہیں۔ کیونکہ بات تو یہ ہے کہ جس کا وقت قریب آگیا ہے تو وہ قریب آ ہی گیا اب اسے کون ٹلا سکتا ہے۔)

وَأَحْيَانًا عَلَى بَكْرٍ أَخِينَا　　إِذَا مَا لَمْ نَجِدْ إِلَّا أَخَانَا

(اور کبھی کبھی خود اپنے بھائی بکر پر بھی لوٹ مار کر لیتے ہیں جبکہ اپنے بھائی کے سوا ہمیں کوئی دوسرا قبیلہ نہ ملتا ہو۔)

یہی وجہ ہے کہ اکثر ضعیف قبیلے کسی قوی قبیلہ کی حمایت حاصل کرنے پر مجبور ہوتے تھے تاکہ وہ ان کی مدافعت کر سکے۔ لیکن بہت کم ان کی یہ دوستی ہمیشہ مستحکم یا دیر تک قائم رہتی تھی بلکہ بہت جلد ان کی یہ اجتماعیت ختم اور وحدت پارہ پارہ ہو جاتی تھی۔ اب وہی دوست جنگجو دشمن بن جاتے تھے۔

بدوی میں تجارت کی خلقی اہلیت ہی نہیں ہوتی۔ اگر یہ تجارت میں شریک بھی ہوتا ہے تو اس کا کام اس حد تک محدود رہتا ہے کہ وہ ساربان، راہ نما یا اپنے جیسے بدوؤں کی لوٹ مار سے محافظ کا کام دے سکے۔

قبیلہ کے افراد آپس میں ایک دوسرے نہایت شدت کے ساتھ مددگار ہوتے ہیں۔ وہ اپنے بھائی کی مدد ضرور کریں گے خواہ وہ ظالم ہوں یا مظلوم۔ ان کی ذمہ داری کی حامی ان میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی بھر سکتا ہے اور وہ اپنے غیروں کے سامنے ایک بند مٹھی کی طرح ہوتے ہیں۔

لَا يَسْأَلُونَ أَخَاهُمْ حِينَ يَنْدُبُهُمْ　　فِي النَّائِبَاتِ عَلَى مَا قَالَ بُرْهَانَا

(جب مصائب میں فریادرسی کے لئے ان کا کوئی بھائی انہیں پکارتا ہے تو وہ اپنے بھائی سے اس کی بات کی دلیل و برہان نہیں مانگتے)

اگر ان میں سے کوئی آدمی کوئی جرم کر بیٹھتا ہے تو پورا قبیلہ اس کی سزا کو برداشت کر لیتا ہے اور جب وہ لوٹ مار کر کے کچھ مال غنیمت لاتا ہے تو وہ سارے قبیلہ کا ہوتا ہے۔ اور قبیلہ کا سردار اس میں سے بہترین چیز منتخب کر لیتا ہے جب اس کا قبیلہ اس کی حمایت کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو وہ کسی دوسرے قبیلہ میں پناہ لے لیتا اور اس کا دم بھرنے لگتا ہے اور وہ خود ایسا ہی سمجھنے لگتا ہے گویا کہ وہ اب اس دوسرے قبیلہ ہی کا فرد ہے۔ لہذا ایک بدوی کی وطنیت۔ قبائلی وطنیت ہے نسلی وطنیت نہیں ہے۔ کسی قبیلہ کے ساتھ اس کے مربوط ہونے کا یہ شعور ہی اس کی حمایت کرتا ہے اور وہ اس کی حمایت کرتا ہے۔ اسی کو عصبیت کہتے ہیں۔

ان میں سے جو لوگ گہری قسم کے بدوی تھے وہ دین میں ضعیف الایمان تھے۔ یہ لوگ اپنی قبائلی تقلیدات اور آباؤ اجداد کے وراثتی اثرات کو ساتھ لئے ہوئے ہی مسلمان ہوئے تھے۔ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ (اعرابی لوگ کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور اس لائق ہیں کہ اللہ کی ان حدود کو نہ جان سکیں جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہیں۔ اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے)

اخلاق میں ان کا بلند ترین نمونہ وہ ہے جو ایک لفظ "مروّت" میں مرتکز ہو جاتا ہے جس کے گُن انہوں نے اپنے اشعار اور ادبی ذخائر میں بہت ہی گائے ہیں۔ یہ بڑا ہی دشوار ہے کہ تم مروّت کی کوئی دقیق تعریف کر سکو۔ البتہ یوں کہنا غالباً صحیح ہوگا کہ مروّت در اصل شجاعت اور کرم کے سہارے قائم ہوتی ہے۔ ان کی شجاعت تو اس طرح واضح ہوتی ہے کہ اس نے کتنی بڑی تعداد سے مقابلہ کیا اور کتنی بڑی تعداد کو قتل کیا۔ نیز اپنے قبیلہ کی طرف سے مدافعت کے موقعوں پر بھی شجاعت کھل جاتی ہے اور اس سے بھی زیادہ اس میں کہ اس نے کن کن لوگوں کی مدد کے لئے جنگ کی۔ رہ گیا کرم اور سخاوت تو وہ یوں ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے کتنی بڑی تعداد سے مقابلہ کیا اور کتنی بڑی تعداد کو قتل کیا۔ نیز اپنے قبیلہ کی طرف سے مدافعت کے موقعوں پر بھی شجاعت کھل جاتی ہے اور اس سے بھی زیادہ اس میں کہ اس نے کن لوگوں کی مدد کے لئے جنگ کی۔ رہ گیا کرم اور سخاوت تو وہ یوں ظاہر ہوتی ہے کہ مہمان کے لئے اونٹ ذبح کر دیا۔ کسی مصیبت زدہ فقیر کی مدد اور فریاد رسی کر دی اور اس سے بھی بڑھ کر اس میں کہ جتنا کسی سے لیا تھا اس سے کہیں زیادہ اسے دیدیا اور یہ کہ جنگ میں چھایا ہوا رہے مگر مال لوٹنے کے وقت الگ کھڑا ہو جائے۔

ان کی سخاوت اس امر کی داعی تھی کہ وہ خوب کھائیں اور خوب شراب پئیں۔ لیکن ان بدوؤں کے شہر اور آبادیاں نہایت خشک اور بہت کم پیداوار والی تھیں جو ایک سخی آدمی کی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتی تھیں تو انہوں نے اہل شام، عراق اور یمن والوں سے ارتباط پیدا کیا کہ اپنی سرزمین کی خشکی اور اپنے ملک کی سختی کے مقابلہ میں ان سے کچھ مدد لے سکیں۔

ان کی عورتیں زندگی کے احوال و ظروف میں مردوں کے ساتھ شریک رہتی تھیں۔ وہ لکڑیاں جمع کرتی، پانی بھر کر لاتی، جانوروں کا دودھ دوہتی، خیمے اور لباس بنتی، کپڑے سیتی تھیں۔ عورت — فی الجملہ — اپنی عقلیت سے مرد کی عقلیت کے قریب قریب ہی ہوتی تھی۔ البتہ وہ جنگوں میں مردوں کی طرح مردانگی کا جوہر نہیں دکھا سکتی تھی اور جنگیں ان کے نزدیک اُن کی زندگی کی بنیاد تھیں۔ اس وجہ سے عورت کا رُتبہ مرد کے رتبہ سے فروتر ہو گیا۔ بعض قبیلوں میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینے کا رواج بھی تھا۔ ان میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کے متعلق حق تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ۔ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ (جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا منہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

مجلسِ اقبال

(گذشتہ سے پیوستہ)

جس طرح "انا" کی آزادی کے مسئلہ میں مادہ کا عقدہ پیش آتا ہے۔ اسی طرح غیر فانیت کے سلسلہ میں وقت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔[1] برگسان نے ہمیں یہ تبلایا ہے کہ وقت کوئی غیر محدود خط (خط مفہوم مکانی) نہیں جس سے ہم سبھوں کو خواستہ نخواستہ گذرنا ضروری ہے۔ یہ تصور مخلوط و ممزوج وقت کا ہے (وقت کا یہ ایک غلط تصور ہے) خالص وقت کوئی طول نہیں رکھتا۔ شخصی لافانیت ایک آرزو ہے۔ تم اگر کوشش کرو تو اسے حاصل کر سکتے ہو۔ یہ اس بات پر موقوف ہے کہ ہم اس زندگی میں خیال و عمل کے وہ طریقے اختیار کریں، جو اطناب کی حالت کو قائم رکھنے میں معین ہوں۔ بودھ مذہب عجمی تصوف اور اس قبیل کے دوسرے تعلقات اخلاقی ہماری غرض پوری نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ کلیتاً بیکار بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ایک مدت دراز کی سعی و عمل کے بعد ہم کو کچھ دیر کے لئے خواب آور دواؤں کی حاجت پڑ ہی جاتی ہے۔ اس قسم کے اعمال و اذکار گویا ایام زندگی کی راتیں ہیں۔ پس اگر ہمارے اعمال اطناب کی حالت کو قائم رکھنے کے لئے ہوں تو مطلب یہ ہے کہ مرگ کے صدمہ سے اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ مرنے کے بعد ہمیں ایک زمانہ آتا ہے جیسا کہ قرآن میں برزخ یا درمیانی حالت کا ذکر آیا ہے۔ یہ زمانہ حشر تک رہے گا۔ اس سکون برزخی کی حالت کے بعد صرف وہی "انا" باقی رہیں گے جو موجودہ زندگی میں بہت محتاط رہے ہیں۔ اگرچہ ارتقاء حیات میں تکرار و اعادہ کا گزر نہیں تاہم بقول ویلڈن کار، برگسان کے اصول کے مطابق حشر اجساد بھی بالکل ممکن ہے۔ وقت کو لمحوں میں تقسیم کر کے ہم ہی اس میں مکان کا مفہوم پیدا کر دیتے ہیں اور تب اس کی تسخیر ہم کو مشکل معلوم ہوتی ہے۔ وقت کی حقیقی نوعیت ہم کو اس وقت معلوم ہوتی ہے، جب ہم اپنے عمیق تر خودی پر غائر نظر ڈالتے ہیں۔[2] حقیقی وقت خود زندگی ہے، جو بقا و دوام حاصل کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس مخصوص حالت اطناب کو قائم رکھے جس نے اس کو تا ایں دم قائم رکھا ہے۔ ہم وقت کے محکوم اس وقت تک رہتے ہیں، جب تک ہم وقت کو ایک مکانی چیز سمجھتے ہیں۔ مکانی وقت ایک زنجیر ہے، جس کو زندگی نے اپنے واسطے اس غرض سے اختراع کر لیا ہے، کہ موجودہ ماحول کو جذب کر سکے۔ حقیقتاً ہم وقت کی پابندی سے آزاد ہیں۔ اور وقت سے بے قیدی کا احساس (علم) ہم کو اس زندگی میں بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ احساس بالمکاشفہ محض عارضی ہوگا۔

عشق اور خودی کی تربیت

خودی عشق سے مستحکم ہوتی ہے۔[3] یہ لفظ (عشق) بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے، اور اس سے مراد خواہش جذب و تسخیر ہے۔ اس کی اعلیٰ ترین شکل تخلیق قدروں و مقاصد اور ان کے حصول کی سعی ہے عشق، عاشق و معشوق، دونوں کو منفرد کر دیتا ہے (خدا کی بے مثل و یکتا ترین ذات کے وصل (حصول) کی کوشش، طاقت کو متشخص (منفرد) بناتی ہے۔ اور ضمناً یہ مفہوم مطلوب کی فردیت پر بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ کوئی اور چیز طالب کی فطرت کو تسکین نہیں دے سکتی۔

سوال یعنی فقدانِ عمل

جس طرح خودی عشق سے مستحکم ہوتی ہے۔ اس طرح سوال سے وہ ضعیف ہوتی ہے۔[4] ہر وہ چیز جو بغیر ذاتی کوشش کے حاصل ہو سوال ہے۔ ایک دولتمند آدمی کا لڑکا جو اپنے والدین کی دولت ورثہ میں حاصل کرتا ہے۔ وہ بھی سائل ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی، جو دوسروں کے خیالات کو اپنے خیالات بناتا ہے۔ پس خودی کو مستحکم کرنے کے لئے ہم کو چاہیئے کہ عشق (یا عمل جاذبہ کی قوت) پیدا کریں۔ اور ہر قسم کے سوال یا فقدان عمل سے بچیں۔ نبی صلعم کی حیات مبارک سے کم از کم ایک مسلم کو تو عمل جاذبہ کا سبق مل ہی سکتا ہے۔

مثنوی کے کسی دوسرے حصہ میں میں نے اشارتاً اسلامی اخلاقیات کے عام اصول بیان کئے ہیں۔ اور شخصیت کے تصور کے سلسلہ میں ان کے معانی سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ خودی کو یکتا و بے مثل ہونے کے لئے تین مراحل طے کرنا پڑتے ہیں۔

(۱) اطاعت قانون

(۲) ضبط نفس،[1] جو احساس نفس و خودی کا آخری مرتبہ ہے۔

(۳) نیابت الٰہی۔[2]

مقام محمدی خلافت و نیابت

نیابت الٰہی اس دنیا میں ارتقاء انسانی کی تیسری اور آخری منزل ہے۔ نائب حق خلیفۃ اللہ علی الارض ہے۔[3] یہ کامل ترین "انا" ہے جو بنی نوع انسان کا نصب العین اور زندگی کی روحانی و جسمانی معراج ہے۔[4] اس کے اندر ہماری حیات نفسی کے تمام انتشارات ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ ترین قوت عمل۔ اس میں اعلیٰ ترین علم سے متحد ہوتی ہے۔ اس کی زندگی میں خیال و عمل۔ اور عقل و جبلت ایک ہوتے ہیں۔ وہ نخل انسانیت کا ثمر آخریں ہے اور ارتقاء حیات کی تمام صعوبتیں اور تلخیاں اس لئے گوارا ہو سکتی ہیں کہ ان کا آخری انجام اس کی شکل میں ظاہر ہونے والا ہے۔ بنی نوع انسان کا وہ حقیقی حکمران ہے۔ اس کی حکومت، حکومت اللہ فی الارض ہے۔ وہ اپنی فطرت کے خزانے سے دوسروں کو زندگی کی دولت عطا کرتا ہے۔ اور ان کو اپنے قریب تر لاتا جاتا ہے جس قدر ہم منازل ارتقاء طے کرتے جاتے ہیں۔ اسی قدر اس کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کے تقرب سے میزان حیات میں اپنے آپ کو بلند تر کرتے جا رہے ہیں۔ نوع انسانی کا ذہنی و جسمانی دونوں حیثیتوں سے ترقی یافتہ ہونا اس کی آمد کا ایک لازمی مقدمہ ہے۔ ارتقاء انسانی ایک آئیڈیل قوم کے وجود میں آنے کی خبر دے رہا ہے۔ جس کے افراد کم و بیش ایسے بے مثل و یکتا ہوں گے، جن میں اس نائب حق کے والدین ہونے کی صلاحیت ہوگی۔ پس حکومت اللہ علی الارض سے مراد وہ جمہوریت ہے جس کے افراد کم و بیش یکتا ہوں گے، اور جس کا صدر وہ یکتا ترین فرد ہوگا، جس کا امکان اس دنیا میں ہو سکتا ہے۔ نیٹشے کو اس آئیڈیل قوم کی ایک جھلک نظر آئی۔ مگر اس کی دہریت اور امارت پسندی نے اس کے سارے فلسفہ کو مسخ کر دیا۔

---

[1] اے اسیر دوش فردا در نگر — در دلِ خود عالمے دیگر نگر

[2] نقطۂ نورے کہ نام او خودی ست — زیر خاک ما شرار زندگی ست الخ

[3] اے فراہم کردہ از شیراں خراج — گشتۂ روبہ مزاج از احتیاج الخ

---

[1] نفس تو مثل شتر خود پرور است — خود پرست و خود سوار و خود سر است الخ

[2] گر شتر بانی جہاں بانی کنی — زیب سر تاج سلیمانی کنی

[3] (ہم اس نکتہ کی تشریح اس کے مقام پر کریں گے۔ طلوع اسلام)

[4] انی جاعل فی الارض خلیفۃ

تا خدائے کعبہ بنوازد ترا — شرح انی جاعل سازد ترا

اسلامی معاشرت

مسلمان کی روزمرہ کی زندگی کیسی ہونی چاہیئے۔ اس کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ اس کے رہنے سہنے کا ڈھنگ۔ اپنوں اور بیگانوں سے اس کے تعلقات اور معاملات۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ غرضیکہ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر انداز و سلوب قرآنی آئینہ میں کیسا ہونا چاہیئے۔

اس مختصری کتاب میں یہ سب کچھ آ گیا ہے۔

پیرایۂ بیان نہایت سادہ اور دل نشین تاکہ بچے اور کم تعلیم یافتہ لوگ بھی سمجھ سکیں۔

کتابت جلی اور کھلے کھلے لفظوں میں اس انداز سے کرائی گئی ہے کہ بچے اور کم تعلیم یافتہ لوگ باآسانی پڑھ سکیں۔ سکول سائز ۱۹۲ صفحات

قیمت مجلد دو روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ:۔ ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۲۳۔ کراچی

عورت کا قرآن

(۳)

اس وقت دنیا میں ۹۰ (نوّے) آزاد ممالک ہیں۔ اُن میں سے ۴۰ (چالیس) آزاد ممالک میں "عورت" کو مردوں کے برابر "سیاسی حقوق" مل چکے ہیں۔ ان ممالک میں "عورت" کو نہ صرف ووٹ دینے کا حق حاصل ہے بلکہ وہ سرکاری عہدوں پر بحال ہونے کا بھی حق، مساوی حیثیت سے حاصل کر چکی ہیں۔ "اقوام متحدہ" کے منشور میں بھی "مرد" اور "عورت" کے حقوق، بلا امتیاز "برابر" تسلیم کئے گئے ہیں۔ ۱۹ر نومبر ۱۹۴۶ء کو "اقوام متحدہ" کی جنرل اسمبلی نے، ممبر ممالک سے سفارش کی ہے کہ وہ "عورت" کو "مرد کے برابر" "سیاسی حقوق" دیں۔ اس سلسلے میں اقوام متحدہ کے "معاشی اور سماجی کونسل" کے ماتحت "عورت" کے معاملات سے متعلق ایک کمیشن بھی بنایا گیا ہے جس کے ذمہ سفارشات و تفصیلات تیار کرنے کا کام ہے۔

جمہوریۂ ہند کے آئین و دستور میں بھی "عورت" اور "مرد" کے سیاسی اور دیگر حقوق بالکل مساوی تسلیم کئے گئے اور رکھے گئے ہیں۔ چنانچہ جس طرح اس ملک کے تمام لوگ بغیر امتیاز زبان و مذہب شہریت کے حقوق میں برابر ہیں، اسی طرح "عورت" کو ووٹ دینے سے لے کر تمام سرکاری عہدوں پر بحال ہونے کا بھی حق مل گیا ہے۔

ذیل میں، دُنیا کے ان چالیس ملکوں کی، مع سنہ، تفصیل دی جاتی ہے جنہیں متذکرہ سنین میں "عورت" کو "مرد" کے برابر ہر قسم کے "سیاسی و سماجی" حقوق مل چکے ہیں:-

(۱) نیوزی لینڈ	سنہ ۱۸۹۳ء میں
(۲) فن لینڈ	سنہ ۱۹۰۶ء میں
(۳) ناروے	سنہ ۱۹۱۳ء میں
(۴) ڈنمارک	سنہ ۱۹۱۵ء میں
(۵) روس	سنہ ۱۹۱۸ء میں
(۶) جرمنی	سنہ ۱۹۱۸ء میں
(۷) آسٹریلیا	سنہ ۱۹۱۸ء میں
(۸) لیکزمبرگ	سنہ ۱۹۱۸ء میں
(۹) پولینڈ	سنہ ۱۹۱۹ء میں
(۱۰) آسٹریا	سنہ ۱۹۱۹ء میں
(۱۱) کناڈا	سنہ ۱۹۲۰ء میں
(۱۲) زیکوسلواکیہ	سنہ ۱۹۲۰ء میں
(۱۳) سویڈن	سنہ ۱۹۲۱ء میں
(۱۴) ہنگری	سنہ ۱۹۲۵ء میں
(۱۵) نیوفاؤنڈلینڈ	سنہ ۱۹۲۵ء میں
(۱۶) برطانیہ	سنہ ۱۹۲۸ء میں
(۱۷) جنوبی افریقہ	سنہ ۱۹۳۰ء میں
(۱۸) اسپین	سنہ ۱۹۳۱ء میں
(۱۹) سیام	سنہ ۱۹۳۲ء میں
(۲۰) کیوبا	سنہ ۱۹۳۴ء میں
(۲۱) اروگوے	سنہ ۱۹۳۴ء میں
(۲۲) ٹرکی	سنہ ۱۹۳۵ء میں
(۲۳) فلپائن	سنہ ۱۹۳۵ء میں
(۲۴) ڈومینیکن (ری پبلک)	سنہ ۱۹۴۲ء میں
(۲۵) مینگولین (ری پبلک)	سنہ ۱۹۴۴ء میں
(۲۶) اطالیہ	سنہ ۱۹۴۵ء میں
(۲۷) لیبیریا	سنہ ۱۹۴۵ء میں
(۲۸) ایکیوڈور	سنہ ۱۹۴۶ء میں
(۲۹) البانیہ	سنہ ۱۹۴۶ء میں
(۳۰) برازیل	سنہ ۱۹۴۶ء میں
(۳۱) فرانس	سنہ ۱۹۴۶ء میں
(۳۲) یوگوسلاویہ	سنہ ۱۹۴۶ء میں
(۳۳) پانامہ	سنہ ۱۹۴۶ء میں
(۳۴) سیلون	سنہ ۱۹۴۶ء میں
(۳۵) اینیزویلا	سنہ ۱۹۴۶ء میں
(۳۶) چین	سنہ ۱۹۴۷ء میں
(۳۷) برما	سنہ ۱۹۴۷ء میں
(۳۸) کوریا	سنہ ۱۹۴۸ء میں
(۳۹) رومانیا	سنہ ۱۹۴۸ء میں
(۴۰) انڈیا (بھارت)	سنہ ۱۹۵۰ء میں

ان چالیس ملکوں میں "عورت" متذکرہ سنین میں، تمام تر سیاسی حقوق اور کامل آزادی حاصل کر چکی ہے مگر بجز ترکی کے ان میں کوئی بھی اسلامی ملک نہیں ہے۔ (باقی)

ایجنٹوں کے نام

(۱) ہر مہینے کے پہلے ہفتے میں پرچے بذریعہ وی پی بھیجے جایا کریں گے۔ اور مہینے بھر کے پرچوں کی قیمت وصول کر لی جائے گی۔ باقی تین ہفتوں کے پرچے عام ڈاک سے پوسٹل سرٹیفکیٹ لے کر ارسال کئے جایا کریں گے۔ رجسٹری منگوانے کی صورت میں خرچ بذمہ ایجنٹ ہوگا۔

کمیشن:- ۲ سے ۱۰ پرچوں تک کے لئے بیس فی صدی۔ ۱۱ سے ۲۰ پرچوں تک کیلئے ۲۵ فیصدی۔ ۲۱ سے ۶۰ پرچوں تک کے لئے ۳۳ فی صدی۔ ۶۰ سے زائد پرچوں کے لئے ۴۰ فی صدی کمیشن دیا جائے گا۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ء۔ کراچی

مطبوعات طلوع اسلام کی شرائط ایجنسی

شرح کمیشن

معراج انسانیت — ۲۵ فی صدی۔ دیگر مطبوعات — ۳۳ فی صدی

(۲) قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائے گی۔ (۳) غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لیجائیں گی۔ (۴) پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم کی نہیں ہونی چاہیئے۔ (۵) ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے۔ ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی۔

نوٹ:- کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے شرائط طے کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام — کراچی

ابو اسحاق ابراہیم نظّام

شروع تیسری صدی ہجری کا ایک بلند پایہ مفکر

[مسلکِ اعتزال اور فلسفہ نظّام کی بحث کو درمیان میں لائے بغیر]

(ترجمہ و تلخیص از ضحی الاسلام تصنیف علامہ احمد امین مصری)

نظام معتزلی بڑے کمالات کا جامع تھا۔ تیزیٔ ذہن، پاکیزگیٔ طبیعت، حریت فکر، وسعتِ معلومات، معانیٔ دقیقہ کی غواصی اور حسین ترین الفاظ اور جمیل ترین انداز بیان میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان تمام خصوصیات میں وہ اپنے استاذ "علّاف" سے زیادہ قدرت رکھتا تھا حتیٰ کہ لوگوں کا بیان ہے کہ علّاف اس کے سامنے یوں پانی پانی ہو جاتے تھے جیسے گرمی میں برف پگھل جاتی ہے۔

جاحظ کا بیان ہے کہ ابو الہذیل علّاف سے کہا گیا کہ نظام کے ساتھ بحث و مناظرہ میں تمہاری بہترین حالت وہ ہوتی ہے جب تم گول مول باتیں کرتے ہو کہ لوگ تمہارے اور نظام کے بارے میں شک کرنے لگتے ہیں کہ معلوم نہیں کون صحیح بات کہہ رہا ہے۔ تو علّاف نے جواب دیا کہ پچاس شک بہرحال ایک یقین سے بہتر ہوتے ہیں۔

ان کا پورا نام ابراہیم بن سیار بن ہانی نظّام بصری ہے (یہ غلاموں میں سے تھے) مسلکِ اعتزال میں علّاف کے شاگرد تھے۔ پھر ان سے الگ ہو گئے اور اپنے جداگانہ مسلک کی بنیاد رکھی۔ کچھ عرصہ تک بغداد میں رہے۔ اور عنفوانِ شباب ہی میں چھتیس سال کی عمر میں ۲۲۱ھ میں انتقال کر گئے۔ آپ مشہور معتزلی امام جاحظ کے استاذ تھے۔

طبیعت کا رنگ

ان پر دو رنگ غالب تھے۔ ایک ادبی رنگ، اور دوسرے کلامی یا الہیاتی رنگ۔ اپنے ادبی رنگ میں باریک دقیق معانی اور خیالات کی تخلیق اور پھر ان کو بہترین قالب میں ڈھال دینے میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ اغانی کی روایت ہے کہ مامون رشید (خلیفہ عباسی) نے عریب (مامون کی باندی) کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا، عریب بیمار ہو گئی۔ تو مامون اس کی مزاج پرسی کو گیا اور اس سے پوچھا: "تم نے فراق کا مزہ کیسا پایا؟" عریب نے جواب دیا کہ "امیر المومنین! اگر فراق کی تلخی نہ ہوتی تو ہم وصال کی حلاوت کیسے معلوم کر سکتی؟ جو شخص غصہ کی ابتدائی برائی کو محسوس کر لیتا ہے وہی رضامندی کے انجام کی قدر کر سکتا ہے۔" مامون اس کے پاس سے نکل کر اپنے ندیموں کے پاس آیا اور یہ واقعہ بیان کر کے کہنے لگا "دیکھو اگر یہی بات نظام نے کہی ہوتی تو وہ کتنی عظیم الشان بن جاتی؟"

کہتے ہیں کہ نظّام اپنے بچپن میں خلیل بن احمد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت خلیل کے ہاتھ میں بلور کا ایک پیالہ تھا۔ خلیل نے نظّام سے کہا: "اس بلور کے متعلق کچھ کہو۔" نظّام نے پوچھا: "تعریف میں کہوں یا مذمت میں؟"* خلیل نے کہا تعریف میں کچھ کہو۔ نظّام نے کہا: "اس میں تمہیں وہ رنگ نظر آ سکتا ہے جو پانی میں پڑا ہوا ہو۔ کسی کثافت کو قبول نہیں کر سکتا۔ اور ساتھ ہی جو چیزیں اس کے پیچھے ہوں ان کو بھی چھپاتا نہیں ہے۔" خلیل نے کہا: "اچھا اب اس کی مذمت کرو۔" نظّام نے فوراً جواب دیا۔ "بہت جلد ٹوٹ جاتا ہے جو بعد میں جوڑا بھی نہیں جا سکتا۔" خلیل نے اپنے گھر میں ایک کھجور کے درخت کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "اس کھجور کے متعلق کچھ کہو۔" نظّام نے فی البدیہہ کہا: "اس کا پھل شیریں، قد سیدھا اور سر سرسبز و شاداب ہے۔" خلیل نے کہا اچھا اب مذمت میں کہو۔ نظّام نے جواب دیا: "اس پر چڑھنا مشکل ہے۔ پھل توڑنا دشوار ہے۔

ص نظام نے پھر پوچھا کہ مدح میں کہوں یا مذمت میں اُنہوں نے کہا کہ مدح میں ۴

ہر طرف کانٹوں میں گھری ہوئی ہے۔" خلیل نے کہا "بیٹا! ہمیں تو خود تم سے بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے۔"

نظام کے چھوٹے چھوٹے لطیف فقرے بہت نقل کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ان کے سامنے عبد الوہاب ثقفی کا ذکر آیا تو انھوں نے فرمایا کہ "وہ خوف کے بعد امن، بیماری کے بعد تندرستی، قحط سالی کے بعد سرسبزی، فقیری کے بعد مالداری، محبوب کی فرماں برداری، مصیبت زدہ کی رہائی مسلسل وصال اور خوشنما شباب سے زیادہ شیریں ہے۔" یا مثلاً ان کا یہ مقولہ کہ "سونا نہایت ہی کمینہ چیز ہے۔ کمینہ آدمی کی صورت اس کے رنگ میں رنگ جاتی ہے۔ یہ نسبت سخی لوگوں کے بخیلوں کے پاس زیادہ ہوتا ہے۔"

خرچ کرنے کی عادت

نظام کو (اپنے استاد ابو الہذیل کے برعکس) خرچ کرنے کا سلیقہ تھا۔ سلطان کی طرف سے عطایا بکثرت ملتے رہتے تھے۔ جب ان کے پاس مال جمع ہوتا تو اپنی ضروریات کے مطابق رکھ کر باقی مال مناسب مقاصد پر خرچ کر دیتے تھے۔ اس بارے میں ان سے کہا گیا کہ ایسا نہ کیجئے تو نظام نے جواب دیا: "کچھ حقوق ایسے ہیں کہ وہ مال کے ہیں اور میرے ذمہ ہیں اور کچھ حقوق ایسے ہیں جو میرے ہیں اور وہ مال کے ذمہ ہیں۔ مال کا حق میرے ذمہ یہ ہے کہ میں اسے اسی کے معدن سے حاصل کروں اور موقع ملنے پر جو لوگ اس کے اہل ہوں ان تک اسے پہنچا دوں اور میرا حق مال کے ذمہ یہ ہے کہ وہ مجھے اپنے ذریعہ سے برائی سے بچائے اور اپنے آپ کو خرچ کر کے میری عزت کی حفاظت کرے یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ میں اسے خرچ کر دوں۔ تم مالداروں کو دیکھتے نہیں، ہمیشہ مشقت میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور کم سے کم راحت پاتے ہیں۔ اپنے مال سے کم از کم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور زمانہ سے زیادہ سے زیادہ ڈرتے رہتے ہیں۔ زمانہ اسے چھیننے اور کم کرتے رہنے کی فکر میں لگا رہتا ہے بادشاہ اس پر ٹیکس لگاتا ہے۔ حقدار اسے گالیاں دیتے ہیں۔ ہمسر اس سے مقابلہ کرتے رہتے ہیں اولاد اس کے مرنے کی خواہاں رہتی ہے۔ یہ مالداری اس پر بادشاہ کی طرف سے آفات۔ ہمسروں کی طرف سے حسد، دشمنوں کی طرف سے ظلم و فساد۔ حقداروں کی طرف سے مذمت، اولاد کی جانب سے اکتاہٹ ہی لاتی ہے۔ جس کے پاس صرف بقدرِ ضرورت مال ہوتا ہے وہ ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ دنیا سے جاتا ہے تو ہر برائی سے محفوظ رہتا ہے۔ وہ بقدرِ کفاف پر راضی رہتا ہے تو حقوق بھی اس سے یکسو رہتے ہیں۔"

نظّام کا قول ہے کہ "علم اپنا کچھ حصہ اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک تو اپنا آپ تمام کے تمام اس کے حوالہ نہ کر دے۔ اپنا آپ سارا کا سارا اس کے حوالہ کر دینے کے بعد بھی اندیشہ ہی رہتا ہے کہ علم اپنا بعض حصہ مجھے دیگا یا نہیں۔" ایک مرتبہ کڑک، گرج، اور آندھی کی گونج سنی تو نظّام نے دعا مانگی: "خدایا! اگر یہ عذاب ہے تو اسے لوٹا دے اور اگر یہ خلاج ہے تو اس میں اضافہ فرما۔ بلا کے وقت ہمیں صبر عطا کر۔ فراخی میں ہمیں شکر عطا فرما۔ خدایا اگر یہ عطیہ ہے تو ہم پر حفاظت کے ساتھ احسان فرما۔ اور اگر یہ سزا ہے تو مغفرت سے ہم پر کرم فرما۔"

نظام کہا کرتے تھے کہ "تین چیزیں عقل کا گلا گھونٹ دیتی ہیں اور ذہن کو خراب کر دیتی ہیں۔ بہت زیادہ آئینہ دیکھنا۔ بہت زیادہ ہنسنا اور سمندر کی طرف دیر تک دیکھتے رہنا۔" وہ کہا کرتے تھے کہ میں کسی کو کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ "میں تم سے پہلے مرجاؤں" کیونکہ اگر میں اس سے پہلے بھی مر گیا تو بھی وہ میرے بعد تو مرے گا۔ بلکہ میں یوں کہا کرتا ہوں کہ "تمہارے بدلے میں مرجاؤں۔" جو باتیں ان کے سامنے بیان کی جاتی تھیں وہ ان میں بڑے ہی لطیف اضافے کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ عبد الملک بن مروان کا یہ قول ان کے سامنے نقل کیا گیا کہ اس نے لوگوں کو دھمکاتے ہوئے کہا: "میں وہ خلیفہ نہیں ہوں جسے کمزور سمجھ لیا گیا تھا (حضرت عثمانؓ) نہ ہی میں وہ خلیفہ ہوں جو مداہنت سے بھی کام لے لیتا تھا۔ (یعنی امیر معاویہؓ) اور نہ ہی میں وہ خلیفہ ہوں جو ضعیف الرائے تھا (یعنی یزید بن معاویہ)" تو اس پر نظّام نے کہا کہ "خدا کی قسم اگر اس ضعیف سمجھے ہوئے خلیفہ سے تیرا نسبی تعلق اور اس داہن خلیفہ سے تیری رشتہ داری نہ ہوتی تو تو خلافت سے اتنا ہی دور ہوتا جتنا ستارہ عیوق ثریا سے دور ہوتا ہے۔"

نظّام نہایت عمدہ شاعر بھی تھے۔ شعر میں ان کا ایک خاص انداز تھا۔ نازک خیالی اور حسنِ بیان ان کا خصوصی حصہ تھا۔ ناظرین چونکہ ان کے عربی اشعار سے کما حقہ لطف اندوز نہیں ہو سکیں گے اس لئے اس حصہ کو ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

اندازِ استدلال

جاحظ نے ان کی قوت استدلال کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابو شمر جب بحث کرتے تھے تو ہاتھوں اور شانوں کو حرکت نہیں دیتے تھے۔ نہ ہی آنکھوں کو گھماتے اور سر کو جنبش دیتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا کلام ایک چٹان کے شگاف سے پھوٹ رہا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ بات کرنا اس کا نام نہیں ہو کہ

اس میں دوسری چیزوں سے بھی مدد لی جائے۔ حتیٰ کہ ایک دن نظام نے ان سے گفتگو کی، اور دلائل اور کثرتِ سوالات سے انہیں مجبور کر دیا۔ چنانچہ ابوشمر نے ہاتھوں کو حرکت دی، جو کپڑا وہ باندھے ہوئے تھے اسے کھول دیا۔ اور اٹھ کر نظام کے ہاتھ پکڑ لئے۔ اسی دن سے ایوب نے ابوشمر کو چھوڑ کر نظام کا مسلک اختیار کر لیا۔

جاحظ نے نظام کی نفسیت اور عقلیت کی بڑی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔ جاحظ سے زیادہ انہیں پہچاننے والا اور ان کے ساتھ میل جول رکھنے والا اور کون ہو سکتا تھا۔ مگر یہ چیزیں کتاب الحیوان میں منتشر طور پر بکھری ہوئی ہیں جنہیں ہم ترتیب کے ساتھ اکٹھی کرتے ہیں تاکہ ان سے بقدرِ امکان ایک مکمل تصویر بنائی جا سکے۔ یہ واقعہ ہے کہ جاحظ نے جو کچھ کہا ہے انتہائی سچائی کے ساتھ کہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "ابراہیم نہایت محفوظ اور مامون زبان والے اور صدق و صفا کے باب میں بہت کم لغزش کرنے والے اور رستہ سے ہٹنے والے تھے"۔ پھر اپنے اس قول کی تفسیر کرتے ہوئے جاحظ نے کہا ہے کہ انہوں نے "بہت کم" کا لفظ "بالکل نہیں" کے معنی میں استعمال کیا ہے، جیسا کہ "کم حیا" اور "کم شرم" کا لفظ "بے حیا" اور "بے شرم" کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ لہٰذا ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ وہ صدق و صفا کے باب میں بہت کم لغزش کرنے والے اور راستہ سے ہٹنے والے تھے۔ یہ ہیں کہ وہ صدق و صفا کے باب میں لغزش بالکل نہیں کرتے تھے اور نہ ہی رستہ سے قطعاً ہٹتے تھے۔ کیونکہ وہ حق کے نہایت شدت سے متلاشی رہتے تھے۔

اس کے بعد جاحظ نے ان میں ایک دقیق عقلی عیب بھی نکالا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ وہ قیاس اور استنباط میں بہترین صلاحیت کے مالک تھے۔ لیکن جب وہ قیاس کرتے تھے تو بعض مرتبہ دقتِ نظر سے کام نہیں لیتے تھے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ کبھی وہ ایک گمان قائم کر لیتے ہیں اور پھر اس پر قیاس کی بنیاد کھڑی کر لیتے ہیں اور قطعاً بھول جاتے ہیں کہ اس امر کی بنیاد محض ایک ظن پر تھی۔ اگر وہ تصحیحِ قیاس پر زور صرف کرنے کے بجائے تصحیحِ بنیاد پر زور دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ وہ جب کوئی بات بیان کرتے ہیں تو یوں بیان کرتے ہیں کہ انہیں اس پر یقین ہے اور بصیرت حاصل ہے۔ تاہم یہ مزید ہے کہ بغیر خود سننے اور آزمائش کئے وہ کبھی یہ نہیں کہتے تھے کہ میں نے یوں سنا ہے یا یوں دیکھا ہے کیونکہ ایک بات کو سننے والا تو اس میں کوئی شک نہیں رکھتا کہ اس نے اس بات کی خود آزمائش کر لی ہے۔

جاحظ نے نظام پر یہ تنقید بھی کی ہے کہ وہ بنیادی مسائل میں بھی بعض دفعہ پوری طرح اطمینان کر لینے سے پہلے ہی جلد یقین کر لیتے تھے۔ لیکن جب قیاس و استنباط میں وہ اپنی عقل کو کام میں لاتے تھے تو وہ متحیر کن حد تک اس میں پوری طرح کامیاب ہوتے تھے۔ بلاشبہ نظام کی عقلیت کا یہ نہایت ہی دقیق تجزیہ ہے — اس مضمون کو وہ دوسری جگہ یوں کہتے ہیں: "مجھے نظام نے بتایا اور جب نظام سن کر یا دیکھ کر کوئی بات بیان کرتے ہیں تو ان کی کسی بات پر ہمیں مطلق شک نہیں ہوتا"۔

جاحظ نے نظام پر ایک اور تنقید بھی کی ہے کہ وہ اپنی سچائی کے ساتھ ساتھ رازداری کے لئے نہایت تنگ سینہ رکھتے تھے۔ اگر راز کی بات بتانے والا شخص انہیں تاکید کر دیتا تھا کہ اسے کسی پر ظاہر نہ کریں تو نتیجہ اور بھی بدتر ہوتا تھا۔ اگر رازداری کی تاکید نہیں کی جاتی تھی تو بسا اوقات وہ واقعہ کو بھول جاتے تھے اور راز کی بات بتانے والا شخص محفوظ رہ جاتا تھا۔ پھر انہیں اس امر پر سرزنش کی جاتی تھی تو وہ اس خطا کی ساری ذمہ داری اس شخص پر ڈال دیتے تھے جس نے انہیں کوئی راز کی بات بتائی تھی۔

شک اور تجربہ

یہ تو ان کا اخلاقی پہلو تھا۔ رہ گیا عقلی پہلو تو ان کی قوتِ عقلیہ نہایت قوی اور ترقی یافتہ تھی۔ ایسی قوی اور ترقی یافتہ جس کے ساتھ وہ دونوں بنیادی رُکن لازم ہیں جو یورپ کی جدید ترقی کا سبب بنے ہیں۔ یعنی شک اور تجربہ۔ نظام شک کو بحث و تحقیق کی بنیاد سمجھتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ شک کرنے والا شخص بہ نسبت منکر کے حق سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ یقین کا وجود کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک اس بارہ میں پہلے شک نہ رہا ہو۔ کوئی شخص ایک عقیدہ سے دوسرے عقیدہ کی طرف اس وقت تک منتقل نہیں ہو سکتا جب تک ان دونوں عقائد کے درمیان شک حائل نہ ہو جائے۔ اسی قول کی بنیاد پر جاحظ نے آگے چل کر یوں کہا کہ "مشکوک فیہ چیزوں میں شک کرنا سیکھو۔ اگر اس کا ثمرہ اتنا ہی ہو کہ تم اس امر پر توقف حاصل کرنے کے بعد اس کا یقین حاصل کر سکو

تب بھی اس کی شدید ضرورت ہے۔ عام لوگ بہ نسبت خواص کے بہت کم شکی ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ تصدیق میں توقف نہیں کرتے اور نہ ہی وہ شک و ریب کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کا کام تو تصدیقِ مجرد کی طرف قدم بڑھانا یا تکذیبِ مجرد کی طرف پیش قدمی کرنا ہوتا ہے۔ تیسری حالت یعنی حالتِ شک ان کے ہاں لغو ہوتی ہے"۔

جانور اور شراب

رہ گیا تجربہ تو نظام نے تجربہ سے بھی ایسا ہی کام لیا ہے جیسا کہ آج ایک طبیعی یا کیمسٹ اپنی لیبارٹری میں اس سے کام لیتا ہے۔ ان عجیب تجربات میں سے ایک تجربہ مثال کے طور پر یہ تھا کہ نظام نے محمد بن علی بن سلیمان کے ساتھ مل کر (یہ عباسی گھرانے کے ایک امیر تھے) جو اس لطیف تجربہ میں ان کے ساتھ شریک ہو گئے تھے۔ جانوروں کو شراب پلائی گئی۔ تاکہ دیکھا جا سکے کہ شراب کے اثرات ان پر کیا ہوتے ہیں۔ انہوں نے ہر عظیم الجثہ جانور مثلاً، اونٹ، بھینس، گائے، پھر عمدہ گھوڑے، خچر، پھر، ہرن، بکری، اس کے بعد گیدڑ، کتے اور بلی وغیرہ پر تجربات کئے۔ اس کے بعد ایک سپیرے کو بلایا گیا جو مختلف تدبیروں سے سانپوں کے حلق میں شراب ٹپکاتا تھا۔ یہ جانوروں کی ان مختلف اجناس پر شراب کے جو اثرات مرتب ہوئے اس کا مشاہدہ کرتے رہے۔ اس تجربہ میں کوہ بالا امیر کا مال اور ان کی وجاہت نظام کی معاون رہی۔

اس کے بعد انہوں نے کسی تدبیر سے ایک شیر حاصل کیا اور اس کو شراب پلائی تاکہ تجربہ کر سکیں کہ وہ کہاں تک اس کو برداشت کر سکتا ہے۔ اس تجربے کے بعد نظام کا بیان ہے کہ تمام حیوانات میں ہرن کی حسین ترین مستی سے زیادہ میں نے کسی کی مستی نہیں دیکھی۔ اگر اس کے لئے کثیر اموال کی ضرورت نہ ہوتی تو میں ہمیشہ اپنے ساتھ ایک ہرن رکھتا اور اسے پیٹ بھر کر شراب پلایا کرتا۔ تاکہ اس کی مستی کے عجائبات کا مشاہدہ کر سکوں۔

اس کے بعد ایک دوسرا تجربہ بھی ہے جو انہوں نے بیان کیا ہے وہ محمد بن عبداللہ کے پاس موجود تھے۔ جو پتھروں کو آگ میں تپاتے جاتے تھے اور جب وہ انگاروں کی طرح سرخ ہو جاتے تھے تو انہیں نر شتر مرغ کے سامنے ڈال دیتے تھے۔ وہ انہیں اسی طرح نگل جاتا تھا جیسا کہ انگاروں کو نگل جایا کرتا تھا۔ دراصل میں نے محمد بن عبداللہ سے یہ کہا تھا کہ انگارہ ہلکی چیز ہے۔ جو رطوبات سے ملنے کے بعد بہت جلدی بجھ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جب اس پر کوئی چیز ڈھانپ دی جائے جو اس کے اور ہوا کے درمیان حائل ہو جائے تو وہ فوراً بجھ جاتا ہے۔ البتہ پتھر اپنی اس حرارت کو جو اس میں داخل ہو جائے زیادہ دیر تک محفوظ رکھ سکتا ہے۔ وہ انگارہ کی نسبت زیادہ بھاری، زیادہ چمٹنے والا، اور دیر میں ٹھنڈا ہونے والا ہوتا ہے۔ لہٰذا پتھروں کو گرم کرنا چاہیئے۔ چنانچہ محمد بن عبداللہ نے پتھروں کو گرم کیا اور نر شتر مرغ کی طرف پھینکا۔ وہ پہلا پتھر نگل گیا تو مجھے شک ہوا لیکن جب انہوں نے دوسرا اور تیسرا پتھر پھینکا اور وہ نگل گیا تو میرے تعجب کی حد نہ رہی۔ پھر میں نے کہا اچھا لوہے کے ٹکڑے گرم کر دان میں کچھ چوتھائی رطل کے ہوں اور کچھ نصف رطل کے۔ انہوں نے لوہے کے ٹکڑے گرم کئے تو وہ انہیں بھی نگل گیا۔ میں نے کہا کہ یہ تو پہلے اور دوسرے تجربہ سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ اب ایک بات ہمیں دیکھنی رہ گئی تھی کہ یہ معلوم کر سکیں کہ آیا پتھروں کی طرح لوہا بھی ہضم ہو جاتا ہے یا نہیں۔ ایک بے وقوف نے اس کی نوبت نہ آنے دی کہ کچھ دن گزر جائیں اور اس کو معلوم کیا جا سکے۔ میرا یہ ارادہ تھا کہ اس کو ذبح کر کے اس کے شکم اور پتھری کا جائزہ لوں گا۔ ممکن ہے وہاں لوہا باقی رہ جائے جو نہ خارج ہوا ہو اور نہ پگھلا ہو کہ محمد بن عبداللہ کے ایک ندیم نے ایک چھری گرم کر کے اس کی طرف پھینک دی وہ اس کو بھی نگل گیا مگر یہ چھری اس کے حلق کے اوپر کے حصہ سے گزر نہیں سکی بلکہ اس کی نوک اس کے حلق کو پھاڑ کر باہر نکل آئی اور وہ وہیں مر کر گر پڑا۔ اس بے وقوف نے اس طرح اس کے حلق کو چیر کر اس کے تجربہ کی تکمیل سے باز رکھا جو ہم کرنا چاہتے تھے۔

لہ البیان والتبیین (صفحہ ۲۰۰)، ٹلہ الحیوان (صفحہ ۳۰)، ٹلہ ایضاً صفحہ ۲۳۰، ٹلہ الحیوان صفحہ ۱۹۰، ٹلہ البیان والتبیین (صفحہ ۱۰۰)

لہ الحیوان ٹلہ صفحہ (۳۰/۲)

ٹلہ الحیوان صفحہ ۱۰۰/۲۔ میں نے علم الحیوان کی ایک معتبر جدید کتاب میں پڑھا ہے کہ شتر مرغ کو جب شکار کر کے قید کر لیا جاتا ہے تو وہ ہر اس چیز کو جو اس کے سامنے آئے نگلنا شروع کر دیتا ہے۔ ایک شتر مرغ جو انگلستان کے چڑیا گھر میں مر گیا تھا پوسٹ مارٹم کیا گیا تو اس کے معدہ میں سے دھاگے کی نلکیاں اور نصف پینس نکلے تھے جو آنے جانے والے اسے دے جاتے تھے اور وہ انہیں نگل جاتا تھا۔ (مصنف)

آپ نے دیکھا کہ ان نمونوں میں علمی بحث اور صحیح اور دقیق تجربہ اور حقائق کی بحث میں صحیح منطق (Logic) استعمال کرنے کا کتنا اعلیٰ نمونہ موجود ہے۔

ذوقِ تحقیق

پھر نظام خرافات سے بہت ہی دور تھے۔ وہ نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ معاملات کی تحقیق کرتے تھے اور عوام کے اوہام سے جنگ کرتے تھے۔ اس کے خلاف دلائل قائم کرتے تھے مثلاً ـــــ دیکھئے وہ فال اور بدشگونی لینے کے خلاف کس طرح جنگ کرتے ہیں۔ اس کے لئے وہ ایک لطیف مقصد بیان کرتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں۔ میں ایک مرتبہ گرسنگی کا شکار ہوا حتیٰ کہ مجھے مٹی کھانی پڑی۔ میں ایک جبہ اور دو قمیص پہنے ہوئے تھا۔ میں نے نیچے کی قمیص اتار کر چند درہموں میں فروخت کر دی تاکہ اس کی قیمت سے کچھ کھانے کی چیز خرید سکوں، پھر میں نے اہواز کی بندرگاہ کا قصد کیا۔ جب پر پہنچا تو کوئی کشتی نظر نہ آئی۔ میں نے اس سے بدشگونی لی۔ بڑی دیر کے بعد ایک کشتی نظر آئی جو آگے کی طرف سے ٹوٹی ہوئی اور پھٹی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے بھی بدشگونی لی۔ بہر حال میں اس کی کشتی پر سوار ہو گیا۔ شمالی ہوائیں میرے چہرے کو چھو رہی تھیں۔ اور رات سر پر آ رہی تھی۔ جب ہم بندرگاہ کے قریب پہنچے تو میں نے مزدور کو آواز دی تو پہلا قلی جس نے مجھے جواب دیا وہ کانا تھا۔ پھر میں نے بیل والے کو آواز دی تاکہ میرا سامان لادے۔ وہ اپنا بیل لایا تو اس کا سینگ ٹوٹا ہوا تھا۔ بدشگونی پر بدشگونی بڑھتی جا رہی تھی۔ جب میں سرائے میں پہنچ کر بیٹھ گیا تو کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا کون ہے؟ "جواب آیا کہ "ایک آدمی ہے جو آپ سے ملنا چاہتا ہے"۔ میں نے کہا کہ "اچھا یہ بتاؤ کہ میں کون ہوں"۔ اس نے جواب دیا کہ "آپ ابراہیم ہیں"۔ میں نے خیال کر لیا کہ ضرور کوئی دشمن یا بادشاہ کا ایلچی ہے۔ میں اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔ تو وہ آنے والا کہنے لگا کہ مجھے ابراہیم بن عبدالعزیز نے بھیجا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ گو ہم میں بعض باتوں میں اختلاف ہے۔ لیکن اخلاقی حقوق کا درجہ ان سے کہیں بلند تر ہے میں نے آپ کو ایسے حال میں دیکھا جو مجھے اچھا معلوم نہیں ہوا۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ مگر بعد میں مجھے میرے ایک ساتھی نے آپ کے متعلق بتایا اور کہا کہ شاید آپ کسی ضرورت سے یہاں آئے ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو یہیں قیام فرمائیں۔ ممکن ہے اس کے بعد ہم آپ کی کچھ خدمت کر سکیں جو کچھ عرصے آپ کے کام آ سکے۔ اور اگر آپ واپس جانا چاہتے ہوں تو یہ تیس مثقال سونا حاضر ہے۔ اسے آپ اپنی واپسی کی ضروریات میں صرف فرمالیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری اس جسارت کو معاف فرمائیں گے۔ بہر حال مجھ پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ شگونی اور بدشگونی کوئی چیز نہیں۔ ان جیسی چیزوں پر وہی لوگ عمل کرتے ہیں جو خوابوں کی تعبیریں دیتے ہوں[۵۱]۔

توہمات کی مخالفت

چنانچہ وہ ان شگونوں اور خوابوں پر قطعاً یقین نہیں رکھتے تھے۔ عربی اشعار میں جنات اور بھوتوں کے متعلق جو باتیں آتی ہیں۔ نیز یہ کہ بعض بدوی لوگوں نے ان سے باتیں کی ہیں اور ان سے باتیں سنی ہیں وہ ان سب کی فلسفیانہ، دقیق تحلیلِ نفسی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی بنیاد اور ابتداء یوں ہوتی ہے کہ یہ لوگ وحشتناک مقامات پر رہتے تھے۔ غیر شعوری طور پر وحشت اپنا اثر کرتی رہتی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں پر جو تنہا ایسے مقام پر زندگی بسر کر رہے ہوں، اکیلے ہوں۔ لوگوں سے دور ہوں وحشت غالب آ جاتی ہے۔ نہ کوئی کام ہوتا ہے نہ کوئی بات کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا زمانہ عموماً آرزوؤں اور تفکرات میں گذرتا ہے۔ اور فکر اکثر وسوسہ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ ان وسوسوں میں بے شمار لوگ گرفتار ہو جاتے ہیں۔ مجھ سے اعمش نے بیان کیا کہ وہ ایک مسئلہ کو عرصہ تک سوچتے رہے تو ان کے گھر والوں کو ان کی عقل پر شبہ ہونے لگا۔ وہ ان کی حفاظت اور دوا دارو میں لگ گئے۔ ہندوستان کے لوگوں کو اس قسم کے وساوس و توہمات زیادہ پیش آتے ہیں۔ جب کسی انسان پر وحشت غالب آ جاتی ہے تو چھوٹی سی چیز اسے بڑی صورت میں نظر آنے لگتی ہے وہ شک و ارتیاب میں مبتلا ہو جاتا ہے اس کا ذہن پراگندہ ہو جاتا ہے اور اخلاطِ جسم شکست و ریخت میں لگ جاتے ہیں۔ اسے وہ چیزیں نظر آنے لگتی ہیں جو دوسروں کو نظر نہیں آتیں۔ وہ ایسی آوازیں سننے لگتا ہے جو دوسرے لوگوں کو سنائی نہیں دیتیں اس کا واہمہ چھوٹی سی چیز کو بڑی عظیم الشان چیز بنا کر دکھاتا ہے۔ پھر جو کچھ وہ تصور کرتے ہیں اسے اشعار میں نظم اور احادیث و روایات میں منضبط کر دیتے ہیں جو نسلاً بعد نسلٍ چلتی رہتی ہیں۔ آنے والی نسل اس ماحول میں پرورش پاتی ہے۔ جب ان میں سے کوئی آدمی کسی بڑے میدان کے بیچ میں پہنچتا ہے یا اندھیری رات میں تاریکی کی دیواریں اسے گھیر لیتی ہیں تو ابتدائی وحشت یا گھبراہٹ کے وقت یا اُلو کے بولنے اور آوازِ بازگشت سننے سے ہر غلط بات اور ہر جھوٹی چیز کو اس کا واہمہ پیدا کر دیتا ہے۔

جنسِ انسانی میں بعض لوگ طبعاً جھوٹے، کذاب، اور ڈرانے دھمکانے والے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی اس صفت کے مطابق اپنے اشعار میں اس قسم کی چیزیں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ میں غول بیابانی سے ملا۔ میں نے بھوتنی سے باتیں کیں۔ پھر وہ آگے بڑھتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ میں نے اسے قتل کر دیا۔ پھر اور آگے بڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میں اتنا اتنا عرصہ اس کے ساتھ رہا۔ پھر اور آگے بڑھتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ میں نے ایک پری سے شادی کر لی تھی۔ جو چیز اس باب میں مزید اضافہ کا موجب بنتی ہے وہ یہ ہوتی ہے کہ "اس قسم کے اشعار یا واقعات اپنے ہی جیسے بدوؤں یا بے وقوفوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جنہیں اس کا قطعاً سلیقہ نہیں ہوتا کہ کس بات کو ماننا چاہیئے اور کس بات کو نہ ماننا چاہیئے۔ اور کس میں شک کرنا چاہیئے۔ یہ لوگ توقف اور اس کے بعد یقین کی راہ سے آشنا ہی نہیں ہوتے۔ پھر ان بدوؤں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جو راوی جتنا زیادہ جھوٹا ہوتا ہے وہ ان کے نزدیک اتنا ہی قابلِ قدر ہوتا ہے تاکہ وہ اس کی باتوں پر زیادہ سے زیادہ ہنس سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بیان کرنے والے دعوے کر بیٹھتے ہیں کہ انہوں نے چڑیلوں کو دیکھا ہے، ان کو قتل کیا ہے، ان کے ساتھ رہے ہیں یا اُن سے شادیاں رچائی ہیں[۵۲]۔ آپ اس تجزیہ کو دیکھئے جو عقل فراواں، دقتِ نظر اور آزادیٔ فکر کا پتہ دے رہا ہے۔ شاید نظام نے یہ تعلیل معتزلہ کی اس رائے کی تردید کے لئے کی ہو کہ جنات موجود تو ہیں۔ مگر انسان ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ اور جنات کی پیدائشی طبیعت ہی ایسی ہے کہ انسان ان کو دیکھ نہیں سکتا۔

آزادیٔ فکر

پھر وہ وسیع آزادیٔ فکر کے علمبردار ہیں اور محدثین کے خلاف ان کو بڑی جرأت ہے جتنا قرآن کریم پر ان کا ایمان شدید ہے اتنا ہی حدیث پر سے ان کا اعتماد کم سے کم تر ہوتا جاتا ہے۔ آیات کی تفسیر میں مفسرین جو واقعات نقل کرتے ہیں وہ ان کو بہت کم مانتے ہیں۔ مثلاً تفسیر میں عکرمہ، کلبی، سدی اور مقاتل کے بیانات کی ان کی بارگاہ میں کوئی وقعت نہیں۔

وہ احادیث میں عقل کو حکم بنا لیتے ہیں اگر ان کی عقل اس حقیقت کا اعتراف نہیں کرتی جسے حدیث بیان کرتی ہے تو وہ عجیب و غریب سختی کے ساتھ حدیث کا انکار کر دیتے ہیں۔ اسکی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ بلی کی مدح اور کتے کی مذمت میں بے شمار حدیثیں موجود ہیں۔ جن میں بلی کو کتے پر بڑی فضیلت دی گئی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں بلی محبوب ہے اور اس کا جھوٹا بھی پاک ہے اور کتا ناپسندیدہ ہے اور اس کا جھوٹا نہایت درجہ ناپاک ہے۔ اب نظام کو دیکھئے کہ وہ عقلی پہلو پر اعتماد کرتے ہوئے محدثین کو کیونکر خطاب کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "تم نے بلی کو کتے پر مقدم کر دیا ہے اور تم بیان کرتے ہو کہ نبی اکرم صلعم نے کتوں کو مار دالنے اور بلیوں کو زندہ رکھنے بلکہ قریب رکھنے اور پالنے کا حکم دیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ بلی ان جانوروں میں سے ہے جو تمہارے پاس گھومتی پھرتی رہتی ہے، حالانکہ بلی کا نفع صرف اتنا ہی ہے کہ وہ چوہے کھا لیتی ہے...... لیکن اس کے ساتھ وہ تمہارے کبوتر اور پرندوں کے بچے بھی چٹ کر جاتی ہے۔ ان چڑیوں کو صاف کر جاتی ہے جن سے تمہارے بچے کھیلتے ہیں۔ وہ ان پرندوں کو کھا جاتی ہے جنہیں حسنِ صورت یا حسنِ آواز کی بنا پر پالا جاتا ہے۔ اگر وہ تمہارے جانوروں وغیرہ کو معاف بھی کر دے تو وہ تمہارے پڑوسیوں کے جانوروں اور چیزوں کو تو معاف نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس کتے کے منافع اس قدر ہیں کہ کتابیں ان کا احاطہ نہیں کر سکتیں پھر بلی اس کے ساتھ ساتھ چھپکلیاں، بچھو، کنکھجورے، سانپ اور ہر خبیث اور زہریلے جانور اور ہر وہ چیز جس سے نفسِ انسانی کو گھن آتی ہو کھا جاتی ہے۔ مگر تم اس کے باوجود کہتے ہو کہ بلی کا جھوٹا پاک ہوتا ہے اور کتے کا جھوٹا تو ناپاک ہے ہی۔ تم لوگ اتنے ہی پر راضی نہیں ہو جاتے بلکہ اس چیز کو اپنے نبی اکرم صلعم کی طرف بھی منسوب کر دیتے ہو[۵۳]"۔

---

[۵۱] الحیوان (اصفہ ۵)

اس صریح اور شدید جرأت کو ملاحظہ فرمائیے حتیٰ کہ جاحظ بھی ـــــ جو نظام کا اس طرح احترام کرتا ہے جیسا کہ ایک وفادار شاگرد کو اپنے استاد کا کرنا چاہیئے ـــــ اس قول کو نقل کرکے ضبط نہیں کر سکا اور یہ کہتا ہوا چیخ اٹھا کہ "خدا نظام پر اور جو اس قول کا قائل ہو رحم نہ فرمائے"۔

علم و عقل

نظام اپنی آخری حد تک عقل کے تسلط کے قائل تھے۔ جو لوگ کتابوں سے علم حاصل کرتے ہیں ان کو وہ نصیحت کرتے ہیں کہ وہ حاطب اللیل نہ بن جائیں بلکہ ان میں سے بہتر چیزیں منتخب کریں اور اپنے دل میں محض عمدہ اور منتخب باتوں ہی کو جگہ دیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ قلیل و کثیر کتابوں کے لئے ہے، سینہ کے لئے تو قلیل ہی ہو سکتا ہے۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ کتابیں مردوں کو زندہ نہیں کر سکتیں۔ اور نہ احمق کو عقلمند اور کاؤدی کو ذہین بنا سکتی ہیں۔ البتہ طبیعت میں قبول کرنے کا ادنیٰ سا مادہ بھی ہو تو کتابیں اس مادہ کو تیز کر دیتی، ذہن کو کھول دیتی اور اطمینان بخش دیتی ہیں۔ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ ہر چیز سیکھ لے اس کے گھر والوں کو اس کا علاج کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے تصور میں ایسا آنا کسی مرض کی وجہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ جو شخص ذہین ہو اور اس کا حافظہ بھی اچھا ہو تو اسے دو یا تین چیزوں کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ اور پڑھاتے اور بحث و مباحثہ سے باز نہیں آنا چاہیئے (کہ علم اس طرح ترقی کرتا ہے) اسے ہر قسم کے علوم کو جن پر اسے قدرت حاصل ہو سکے، اپنے کانوں، آنکھوں، اور ذہن کے اوپر سے گزرنے دینا نہیں چاہیئے۔ بلکہ خاص خاص علوم میں ماہر بننا چاہیئے۔ البتہ اسے ان علوم سے قطعاً غافل بھی نہیں رہنا چاہیئے جن میں دوسرے لوگ انہماک رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ تعلیم و تعلم کے لئے ایک عجیب طرز کی بنیاد رکھتے ہیں۔

نظام کہا کرتے تھے کہ کتابیں ایک کاؤدی آدمی کو عالم نہیں بنا سکتیں۔ علم کتابوں کو جمع کر لینے اور ان کے مضامین کو یاد کرنے کا نام نہیں بلکہ علم دراصل سمجھنے بوجھنے کا نام ہے۔ جیسا کہ نظام نے تعلیم کے مسئلہ میں ایک نئی فکر وضع کی جس کے متعلق ایک نئی فکر ہونے کا خیال کیا جاتا ہے ایسے ہی عالم کے متعلق ان کی یہ رائے ہے کہ ہر عالم کی دو ثقافتیں ہونی چاہئیں، ایک عام ثقافت جس میں وہ ہر چیز سے منتخب چیزیں لے اور دوسرے خاص ثقافت یعنی علم کی بعض فروع میں خصوصیت سے کمال بہم پہنچائے اور ان میں تعمق پیدا کرکے متبحر بن جائے۔

جرأت تنقید

عقل کے تسلط پر چونکہ ان کا ایمان تھا اس لئے اس کا یہ اثر بھی تھا کہ وہ صحابہ پر تنقید کرنے میں نہایت جرأت سے کام لیتے تھے اور انھیں باقی لوگوں کے درجہ میں رکھتے اور ان کے سیاسی اعمال اور فقہی آراء کی تشریح و تحلیل کرتے تھے[1]۔

ابن ابی الحدید نے بیان کیا ہے کہ نظام نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام کتاب النکت تھا۔ اس کتاب میں انہوں نے ثابت کیا تھا کہ اجماع حجت شرعی نہیں ہے۔ اس خیال نے انہیں اور بھی مجبور کر دیا کہ وہ صحابہ کی کمزوریاں بیان کریں۔ چنانچہ انہوں نے تمام صحابہ میں کچھ نہ کچھ کمزوری کے پہلو نکال دیئے ہیں اور کوئی ان کے طعن کے تیروں سے نہیں بچ سکا۔ حضرت علی رض کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ نہروان کی جنگ میں جب وہ خارجیوں سے نبرد آزما تھے تو کبھی آسمان کی طرف سر اُٹھا اُٹھا کر دیکھتے تھے اور کبھی زمین کی طرف نگاہیں جھکا کر دیکھنے لگتے تھے۔ نظام کہتے ہیں کہ وہ اپنے اصحاب کو اس وہم میں مبتلا کرنا چاہتے تھے کہ گویا اُن پر وحی اُتر رہی ہے۔ اسی انداز سے وہ حضرت علی رض پر تنقید کرتے چلے گئے ہیں۔ ابن ابی الحدید نے نظام کی تردید کی ہے البتہ اس خبر کی صحت کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت علی رض بار بار آسمان کی طرف سر اُٹھاتے تھے اور پھر سر جھکا لیتے تھے۔ انہوں نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ وہ سر اُٹھا کر خدا سے دعائیں کرتے اور تضرع و زاری کرتے تھے اور جب غم و فکر ان کے دل پر غالب آجاتے تھے تو سر جھکا لیتے تھے[2]۔ تنقید میں ان کی نادر جرأت کا یہ ایک نمونہ ہے۔

محدثین ان باتوں کی وجہ سے ان سے سخت نفرت کرتے تھے۔ محدثین سے ان کے مقابلوں اور مناظروں کے بعد ایسا ہونا بالکل طبیعی امر تھا۔ یہ لوگ نظام کی تصویر کشی کچھ ایسی کرتے ہیں کہ گویا وہ کوئی فاسق اور شراب نوش شخص تھے۔ وہ ان پر طرح طرح کی تہمتیں بھی لگاتے ہیں مگر معتزلہ ان تمام امور سے انکار کرتے ہیں اور ان اتہامات کو محدثین کی من گھڑت قرار دیتے ہیں۔

---

[1] ان کی مثالیں ضحی الاسلام صفحہ ۱۰ جلد ۳ میں دیکھیے۔ [2] ابن ابی الحدید (صفحہ ۲)

دین اور اسلام کی طرف سے مدافعت میں نظام نے جو خدمات انجام دی ہیں معتزلہ اُن کے ان احسانات کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ ان کی تمام زندگی دہریوں اور ملحدین کے رد میں گزری ہے۔ نظام اور ان جیسے دوسرے افراد نے اپنی زندگیاں توحید کی حفاظت و نصرت میں گزار دی ہیں انہی لوگوں نے اسلام پر ملحدین کے مطاعن کی مدافعت کی اور ملحدین کے دعاوی کی تکذیب میں اپنے آپ کو مشغول رکھا اور ان کے خلاف بلند پایہ کتابیں تصنیف کیں۔ جبکہ دوسرے لوگ دُنیا کی لذات میں اور دُنیا کا ایندھن جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے[1]۔

توحید کی نصرت

خیاط نے انتصار میں لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب میں سے متعدد لوگوں نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ ابراہیم نظام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری وقت میں یہ دعا مانگی تھی۔

خدایا! تو یقیناً جانتا ہے کہ میں نے تیری توحید کی نصرت میں کبھی کوتاہی نہیں کی میں نے کسی لطیف مذہب پر اعتقاد نہیں رکھا مگر محض اسی ارادہ سے کہ میں اس کے ذریعہ سے تیری توحید کی تائید کر سکوں۔ ان میں سے مجھے جو چیز ایسی ملی جو تیری توحید کے خلاف تھی میں اس سے بری ہوں۔ خدایا! اگر میری زندگی ایسی ہی گزری ہے جو میں نے بیان کی تو میرے گناہوں کو معاف کر دینا[2]" اور موت کی شدت کو مجھ پر آسان کر دینا۔

اس کے بعد خیاط نے کہا ہے "یہ ہے رستہ ان لوگوں کا جو اپنے دل میں خدا کا خوف اور اس کی معرفت رکھتے ہوں"۔

شاید وہ نبیذ پیتے ہوں جیسا کہ عراق والوں کی عام عادت تھی اور ہو سکتا ہے کہ وہ حسن پسند بھی ہوں جیسا کہ عام طور سے ادیب لوگ ہوتے ہیں۔ محدثین نے ان چیزوں کو آڑ بنا کر اُن پر طعن و تشنیع شروع کر دیا۔

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ نظام اپنے عہد میں خدا کی ایک نشانی خیال کئے جاتے تھے۔ لوگ جاحظ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ پچھلے لوگ کہتے آئے ہیں کہ ہر ہزار سال پر ایک ایسا آدمی پیدا ہوتا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو یقیناً نظام اُن میں سے ایک تھا۔

وسعت علم

نظام کا علم بڑا ہی وسیع تھا۔ وہ ایک طرف ادیب تھے اور نہایت بلند پایہ ادیب۔ انہیں بے شمار اشعار اور تاریخی واقعات حفظ تھے۔ دوسری طرف علم دین میں ان کا پایہ بہت بلند تھا انہوں نے قرآن پڑھا۔ تورات و انجیل اور زبور پڑھی۔ ان کی تفسیریں پڑھیں۔ فقہی احکام اور فتاویٰ میں ان کی معلومات نہایت وسیع تھیں۔ فلسفہ پر ان کو کافی عبور حاصل تھا۔ ارسطو کی بعض کتابیں وہ پڑھ چکے تھے اور ان کا رد لکھ چکے تھے۔ مرتضیٰ کا بیان ہے کہ جعفر بن یحییٰ برمکی نے ارسطو کا ذکر کیا تو نظام نے کہا کہ میں اس کا رد لکھ چکا ہوں۔ جعفر نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے تم تو اس کی کتابوں کو پڑھ بھی نہیں سکتے[3]۔ نظام کو جوش آگیا اور ارسطو کی کتاب کا ایک ایک مسئلہ بیان کرکے اس کا رد انہوں نے شروع کر دیا۔ جعفر نظام کے اس تبحر کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا[4]۔

شہرستانی نے کہا ہے کہ "نظام نے فلسفہ کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا انہوں نے ان کی بہت سی باتوں کو معتزلہ کی باتوں کے ساتھ خلط ملط کر دیا"۔ شہرستانی ہی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ یونانی فلاسفہ میں نظام کا میلان ہمیشہ طبیعیین کی طرف رہا، الٰہیین کی طرف نہیں رہا۔

رد دہریت

نظام نے اسلام کی طرف سے مدافعت کرنے اور ملحدین کی تردید کرنے کا بڑا اہتمام کیا۔ انہوں نے اپنے زمانہ کا بڑا حصہ دہریوں کے رد کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ نظام کے زمانہ میں دہریوں کا ایک فرقہ عراق وغیرہ میں پھیلا ہوا تھا جو نہ کسی دین پر ایمان رکھتا تھا اور نہ خدا کا اقرار کرتا تھا اور صرف محسوسات پر یقین رکھتا تھا۔ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اس عالم کے سوا کوئی دوسرا عالم موجود نہیں ہے۔ لہذا یوم جزا اور ثواب و عقاب کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا[5]۔

---

[1] ملاحظہ ہو انتصار [2] انتصار (صفحہ ۹) [3] واضح رہے کہ اس وقت تک یونانی فلسفہ کی کتابوں کے تراجم عربی میں نہیں ہوئے تھے [4] المنیۃ والامل۔ [5] ملاحظہ ہو الملل والنحل الشہرستانی صفحہ ۳۰

(باقی صفحہ ۱ پر)

بین الاقوامی جائزہ

جوں جوں دن گذرتے جاتے ہیں روسی تبدیلیوں اور اُن کے ممکن نتائج کا جائزہ چند ماہرین تک محدود ہوتا جارہا ہے اور عالمی توجہ پھر سے فارموسا کی طرف مبذول ہوتی جارہی ہے زیادہ تر کوشش بھی ہورہی ہے کہ اسے احترام معاہدہ کے بغیر سفارتی ذرائع سے ہی طے کیا جائے۔

روس کی دس قومی کانفرنس والی تجویز کو برطانیہ نے اس بنا پر رد کردیا ہے کہ اس میں غیر ملکی چین کی شمولیت ضروری ہے۔ امریکہ کی روش بھی ایسی ہی ہے روس اور چین مجوزہ کانفرنس پر خصوصیت سے زور دے رہے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ ایسی کانفرنس میں چین کی حکومت تسلیم کئے جانے پر زور دینے کی زیادہ گنجائش ہوگی۔ نیز اقوام مغرب کے مابین اختلافات ابھارنے اور اپنے حق میں زیادہ سے زیادہ فضا سازگار کرنے کا کافی موقع مل جائے گا۔

فارموسا کا تصفیہ

ان ہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ حفاظتی کونسل کا اجلاس منعقد ہوکر غیر معین عرصہ کے لئے ملتوی کردیا گیا ہے۔ اس میں نیوزی لینڈ کی قرارداد التوائے جنگ پر بحث نہیں کی گئی۔ جہاں تک روس کی اس تجویز کا تعلق تھا کہ امریکہ کو جارح (AGG RESSOR) قرار دیا جائے اسے کونسل نے زیر بحث لانے سے انکار کردیا۔ برطانیہ کی کوشش یہ ہے کہ روس اور چین سے فارموسا سے متعلق جو سفارتی رابطہ پیدا کرلیا گیا ہے اسے پوری طرح آزمایا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی برطانیہ اور امریکہ میں اختلافات نمودار ہوگئے ہیں جو جزیرے ساحل چین سے متصل ہیں۔ مثلاً کیموئے وغیرہ برطانیہ انہیں چین ہی کا حصہ سمجھتا ہے اور ان کے لئے چین سے جنگ مول لینے کے لئے تیار نہیں۔ اس کا خیال ہے کہ اگر ایسے جزائر چین کے حوالے کردیئے جائیں تو فارموسا اور پیسکیڈوریز کے لئے التوائے جنگ آسان ہوجائے گی۔ امریکہ کو ان جزائر کو خالی کرنے پر اعتراض تو نہیں لیکن وہ یہ نہیں چاہتا کہ یہ جزیرے فارموسا پر حملہ کرنے کا زینہ بن جائیں

بنکاک کانفرنس

مذکورہ بالا برطانوی امریکی اختلافات کی بدولت بنکاک کی سیٹو کانفرنس کی اہمیت پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ یہ کانفرنس معاہدہ منیلا کے بعد پہلی مرتبہ منعقد ہورہی ہے۔ اس میں جہاں سیٹو کی آٹھ معاہد قومیں باہمی دفاع کے منصوبوں پر غور کریں گی وہاں باہمی معاشی امداد پر بھی خصوصی توجہ صرف کریں گی۔ مسٹر ڈلیز اس کانفرنس میں ایشیائی اقوام پر خصوصیت سے واضح کریں گے کہ امریکہ اشتراکی حملوں کے خلاف ان کی مداخلت کے لئے بھی تیار ہے اور ان کی معاشی مدد بھی کرے گا۔ گو اس کانفرنس کا فارموسا سے چنداں تعلق نہیں تاہم فارموسا کی بدولت مشرق بعید میں جو کشیدگی پیدا ہوگئی ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔ مزید براں اس میں برطانیہ کے وزیر خارجہ، ایڈن بھی شریک ہوں گے اور مسٹر ڈلیز بھی۔ ان دونوں کی ملاقات باہمی اختلافات دور کرنے میں بڑی مدد دے سکتی ہے۔

تحدیدِ اسلحہ

فارموسا کے بعد دوسرا اہم عالمی واقعہ تحدید اسلحہ کی کانفرنس ہے جو ۲۵ر فروری کو لندن میں منعقد ہوگی۔ یہ کانفرنس اقوام متحدہ کے تحدید اسلحہ کمیشن کی ذیلی کمیٹی کی طرف سے ہورہی ہے پچھلی جنگ کے خاتمے سے لے کر اب تک تحدید اسلحہ سے متعلق کسی تجویز پر متفق نہیں ہوسکا۔ اس کانفرنس کی تیاری یوں ہورہی ہے۔ اب روس نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ تحدید اسلحہ کے لئے ایک عالمی کانفرنس طلب کی جائے اور ایٹمی اسلحہ کو ممنوع قرار دیا جائے۔ برطانیہ نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ بھی ہائیڈروجن بم بنانے شروع کرے گا۔ اب تک یہ بم بنانے والے صرف امریکہ اور روس ہیں۔ امریکہ نے اس بم کی تباہ کاریوں کی تفصیل شائع کی ہے۔ کیا اس سے روس کا رویہ معقول ہوجائے گا؟ دیدہ باید۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک "اقوام" کی جگہ انسانیت کا قرآنی تصور سامنے نہیں آتا دنیا میں امن کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوسکتی۔

حقائق و عبر

جمہوری تماشہ! یادش بخیر مشرقی پاکستان کا جگتو فرنٹ سال گذشتہ معرکہ انتخابات میں کامیاب ہوا تھا تو آسمان سر پر اٹھا لیا گیا تھا کہ یہ جمہوریت کی فتح ہے، عوام کے اختیار مطلق کا مظاہرہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب یہ "نمائندگان عوام" اسمبلی میں پہنچے اور وزارت کی کرسیوں پر متمکن ہوئے تو انہوں نے وہ اودھم مچایا کہ گورنر جنرل کو مداخلت کرکے اس پارلیمانی ڈھونگ کو ختم کردینا پڑا۔ اور اگر کوئی سال بھر سے وہاں سے دفعہ ۹۲۔ا ختم نہیں کیا جاسکا تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ یہ "نمائندگان جمہور" جمہوری دستور کے مطابق ایک منشور پر متفق ہونے کے باوصف، اس پر اتفاق نہیں کرسکے کہ ان کا لیڈر کون ہو۔ اس لیڈری کے لئے جو تازہ جنگ ۱۷ر فروری کو لڑی گئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس تاریخ کو جگتو فرنٹ کی پارلیمانی پارٹی کا ایک جلسہ مولوی فضل الحق کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد کے سلسلہ میں منعقد ہوا۔ لیکن اس میں کیا طے پایا اور آیا قرارداد منظور ہوئی یا نامنظور، اس کا حال اللہ بہتر جانتا ہے۔ خبر رساں ایجنسی کی اطلاع مختصراً یہ ہے:۔

> جلسہ پانچ گھنٹے ہوتا رہا لیکن اس میں ٹریونگ بھی رہی۔ جلسہ گاہ میں اس قدر شور تھا کہ باہر سڑک تک سنائی دیتا تھا۔ جلسہ شروع ہوا تو اعتراضات کا سلسلہ شروع ہوگیا کہ مولوی فضل الحق کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد پیش ہورہی ہے اور وہی جلسہ کے صدر ہیں۔ مولوی فضل الحق کے حامیوں کا بیان ہے کہ اس پر مولانا عبدالرشید آکر مولوی صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور ظاہر یہ کیا کہ وہ صدارت کررہے ہیں۔ عوامی لیگ کا کہنا ہے کہ مولانا کو باقاعدہ جلسے کا صدر چنا گیا۔ نیز یہ کہ مولوی فضل الحق دو گھنٹے کے بعد جلسہ گاہ سے چلے گئے اور غائب رہے اور جلسہ کے اختتام کے لگ بھگ واپس آئے۔ مولوی فضل الحق کے حامیوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جلسہ کی کارروائی دو قراردادوں کے منظور کرنے تک محدود رہی۔ ایک قرارداد جو صدر" فضل الحق کی طرف سے پیش ہوئی اس میں پارٹی کے دو ارکان کی وفات پر تعزیت کا اظہار تھا۔ دوسری قرارداد میں دفعہ ۹۲۔ و ختم کردینے کا مطالبہ کیا گیا۔ مولوی صاحب کے مخالفین کا کہنا ہے کہ جلسہ میں متعدد قراردادیں منظور ہوئیں۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب کے بجائے مسٹر عطاء الرحمان کو پارٹی کا لیڈر منتخب کیا گیا۔ فریقین کا اتفاق صرف اس پر ہے کہ جلسہ ساڑھے سات بجے شام غیر معین عرصہ کے لئے ختم ہوگیا۔ البتہ ایک فریق کہتا ہے کہ جلسہ مسٹر عطاء الرحمان نے ختم کیا اور دوسرا کہتا ہے کہ مولوی فضل الحق نے۔
>
> جلسہ ختم ہونے پر مولوی فضل الحق نے ایک نمائندے کی معرفت اخبار والوں کو ایک بیان دیا۔ دوسرا بیان عوامی لیگ کی طرف سے مولانا عبدالرشید کے دستخطوں سے اخباری نمائندوں کو ملا۔ دونوں بیانوں کو ملا کر پڑھنے سے صورت حال کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔ ان سے البتہ یہ معلوم ہوا کہ جلسے کے دوران میں مولوی فضل الحق کے خلاف اور حمایت میں دستخطوں کی زبردست مہم جاری رہی۔ مولوی صاحب کے حامی کہتے ہیں کہ ان کے حق میں ۱۳۲ دستخط حاصل ہوئے اور ان کے مخالفین کہتے ہیں کہ ان کے حق میں صرف ۶۹ دستخط تھے۔ ۱۰۲ دستخط ان کے خلاف تھے۔ مخالفین نے یہ بھی کہا ہے کہ انہیں عدم اعتماد کی قرارداد کے حق میں ۱۲۲ دستخط حاصل ہوگئے تھے۔

جلسے کے خاتمے پر ایک بیان عوامی لیگ کے نائب صدر، مسٹر عطاء الرحمان نے بھی جاری کیا۔ اس میں انہوں نے پارٹی ارکان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے انہیں لیڈر منتخب کیا اور ان پر پارٹی کی قیادت کی ذمہ داری ڈالی۔

"یہ لیڈر" مطالبہ کررہے ہیں کہ صوبے کی قسمت کی باگ ان کے ہاتھ میں دیدی جائے۔

بزم طلوع اسلام

اپنے دور اول میں یعنی تقسیم سے پہلے، طلوع اسلام کا زور اس نکتہ کی وضاحت و تفہیم صرف ہوتا تھا کہ قرآنی اصولوں کے مطابق معاشرہ قائم کرنے کے لئے پاکستان کا حصول از بس ضروری ہے۔ ان دنوں طلوع اسلام پڑھنے والے بے شمار تھے اس کی تحریروں سے ان کے حوصلے بلند ہوتے تھے اور ولولۂ عمل تیز تر، لیکن تقسیم کے بعد نقشہ بدل گیا۔ پاکستان کے بیشتر نام ہوا، ان سنہری اور روپہلی مواقع سے تمتع میں بے طرح الجھ گئے جو نئی صورت حال نے ان کے سامنے پیدا کر دیئے تھے۔ قوم کو یوں "مصروف" دیکھ کر، "علمائے کرام" کا وہ طبقہ آگے بڑھا جسے تحریک کے ایام میں مفاد ملت سے غداری کی وجہ سے ملت نے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ پاکستان میں شریعت کا نظام جاری ہونا چاہیئے، اور یہ نظام کیا ہوگا یہ ہم سے پوچھئے۔

یہ بڑا کٹھن مرحلہ تھا اور ایک ایسی جنگ کا پیش خیمہ جو اس جنگ سے کہیں زیادہ صبر آزما تھی جو ہندو اور انگریز کے خلاف لڑی گئی تھی۔ اس جنگ کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے طلوع اسلام پھر آگے بڑھا۔ اس نے مسلمانوں کو سوچنے کی دعوت دی، آزادانہ اور بلا تقلید۔ اس نے یہی دعوت نہیں دی کہ اب معاشرے کی تشکیل قرآنی اصولوں کے مطابق ہونی چاہیئے بلکہ بڑی وضاحت سے یہ بھی بتایا کہ قرآنی اصول کیا ہیں۔ یہ بڑی ناتواں آواز تھی، لیکن تاریخ انسانی میں جو عظیم الشان انقلاب آئے ہیں ان کی ابتدا حقیر ہی رہی ہے۔ اس ایمان اور اس پر استقامت کا اثر تھا کہ طلوع اسلام کی دعوت عام ہونا شروع ہوگئی۔ اور ملت کا سوچنے والا طبقہ طلوع اسلام کے پیش کردہ فکر کی راہ پر آہی گیا۔

اس راہ پر آجانے کا اثر ہے کہ جگہ بہ جگہ سے تقاضے شروع ہو گئے کہ قارئین طلوع اسلام مجتمع ہوں اور جماعتی تنظیم کریں۔ یہ مطالبہ طلوع اسلام کے لئے بڑے فخر و ابتہاج کا موجب ہوئے تھا۔ کیونکہ یہ اس کی دعوت کی قبولیت کا واضح نشان تھا، لیکن اس کے ساتھ یہ دشواری بھی سامنے آئی کہ جماعتی تنظیم ایک نئی پارٹی کی شکل اختیار کر کے مزید تشتت کا ذریعہ بن جائے گی۔ شدید اصرار پر گہرے سوچ کے بعد طلوع اسلام نے یہ سمجھا کہ قارئین طلوع اسلام ایک دوسرے سے رابطہ پیدا کریں اور باہمی طور پر مل جل کر یہ سوچیں کہ وہ اپنے اپنے حلقوں میں اس قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ قارئین اپنے اپنے علاقوں میں "بزم طلوع اسلام" قائم کریں اور باہمی مشورے سے یہ طے کریں کہ انہیں اس فکر کو عام کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔ اب طلوع اسلام ہفتہ وار ہو گیا ہے تو وہ اس قابل بھی ہو رہا ہے کہ ان مساعی کی نشر و اشاعت کرے اور مختلف مقامات کے قارئین کو بھی ایک دوسرے سے متعارف ہونے کا موقع دے۔ چنانچہ اس میں وقتاً فوقتاً مختلف بزموں کی ضروری خبریں شائع کی جاتی رہیں گی۔ قارئین سے توقع ہے کہ وہ دوسرے مقامات کے قارئین سے بھی براہ راست رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کریں گے اور اس طرح اپنے نادیدہ ہم خیالوں سے قریب تر ہوتے جائیں گے۔ اور اپنی سرگرمیوں سے مدیر طلوع اسلام کو مطلع کرتے رہیں گے۔

بزم طلوع اسلام - راولپنڈی

سکریٹری مقبول محمود صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ بزم طلوع اسلام راولپنڈی کا ہفتہ وار اجتماع ہر جمعہ کو ۳ بجے بعد دوپہر شیخ عبد اللطیف صاحب کے مکان "عزیز منزل" براؤن سٹریٹ متصل چرچ صدر (راولپنڈی) میں ہوتا ہے۔ دار المطالعہ مکان نمبر I/۸۵، چھاچھی محلہ، نیا بازار، راولپنڈی شہر میں ہے۔ اس کے اوقات ۳ بجے تا ۷ بجے شام ہیں۔ مزید تفصیلات مقبول محمود صاحب (سکریٹری) سے مقبول اسٹیشنری مارٹ، ٹرنک بازار، راولپنڈی شہر کے پتے پر زبانی حاصل کی جاسکتی ہیں۔

مطبوعات طلوع اسلام

معراج انسانیت — از پرویز - سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کے تاریخی اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ، مضبوط و حسین جلد مع گرد پوش۔ قیمت پندرہ روپے

ابلیس و آدم — از پرویز - سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق، قصۂ آدم، ابلیس، جنات، ملائکہ، وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۳۷۰ صفحات۔ قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان — اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام — اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۲۴۰ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام — از پرویز - نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ، مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۳۲۵ صفحات۔ قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے — روزمرہ کی زندگی کے تقریباً ساٹھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔ ۴۰۰ صفحات۔ قیمت چار روپے

اسباب زوال امت — از پرویز - مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ۱۵۰ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے — ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر۔ سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ۔ ۲۵۷ صفحات۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاج شناس رسول — یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول! یہ مزاج شناس رسول کون ہیں؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۸ صفحات۔ قیمت چار روپے

مقام حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں۔ ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات۔ اور قیمت فی جلد چار روپے

فردوس گم گشتہ — از پرویز - ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطہ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ تقریباً چار سو صفحات۔ قیمت چھ روپے

نوادرات — از علامہ اسلم جیراجپوری - علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ ۴۰۰ صفحات۔ قیمت چار روپے

نوٹ:- تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳، کراچی

باب المراسلات

انشورنس

ہمیں کئی ایک استفسارات موصول ہوئے ہیں جن میں پوچھا گیا ہے کہ انشورنس (زندگی وغیرہ کے بیمہ) کے متعلق قرآنی روشنی میں کیا فیصلہ ہونا چاہیئے۔ اس سوال کا جواب معلوم کرنے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ (اس کے فنی اور اصطلاحی گوشوں سے قطع نظر، بہ حیثیت عمومی) انشورنس ہوتی کیا ہے؟

ہمارے ہاں (ابھی کل تک) برادریاں ہوتی تھیں (اب بھی کئی قوموں کی برادریاں ہیں)۔ برادریوں میں یہ ایک معروف (تسلیم شدہ) قاعدہ تھا کہ اگر کسی کے ہاں کوئی مرگ ہو جاتی تو برادری کے سب لوگ اکٹھے ہوتے۔ انہیں ایک ایک پیالی چائے پیش کی جاتی اور وہ چائے کی پیالی میں کچھ نقدی رکھ کر پیالی اہل خانہ کو واپس دیدیتے۔ اس طرح بغیر کسی دقت اور پریشانی کے اہل خانہ کے پاس میت کی تجہیز و تکفین کے لئے روپے جمع ہو جاتے۔ بعض جگہ بیماری کی صورت میں بھی اسی طرح کچھ دینے کا رواج تھا۔ اور شادی کی تقریب پر نیوتا بھی درحقیقت اسی برادرانہ تعاون ہی کی شکل تھی۔ اس باہمی تعاون میں اس کی کوئی تفریق نہیں ہوتی تھی کہ صاحب خانہ امیر ہے یا غریب۔ یا دوسری طرف دینے والے کی حیثیت کیا ہے۔ نہ دینے والے کو اس میں کوئی تامل یا توقف ہوتا تھا۔ نہ لینے والے کو کسی قسم کی جھجک یا ندامت۔ دینے والا اسے واجب الادا ذمہ داری سمجھ کر دیتا اور لینے والا اپنا حق سمجھ کر لیتا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس لینے اور دینے میں کوئی شخص اس کا خیال نہیں کرتا تھا کہ میں اتنے روپے دیئے جا رہا ہوں مجھے واپس کیا ملے گا۔ مثلاً اگر کسی شخص کے ہاں کوئی بچہ نہ ہو تو اسے کبھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ میں دوسروں کی شادیوں میں نیوتا کیوں دیئے جاؤں جبکہ میں نے کسی کے ہاں سے نیوتا وصول ہی نہیں کرنا۔ اگر شادی کی تقریب پر کسی کو اتنا خیال آ بھی جاتا ہو تو کم از کم کسی کے ہاں میت کے وقت تو کسی کے دل میں بھی اس قسم کا خیال نہیں آتا تھا کہ میں نے کتنے دیئے ہیں اور مجھے کتنے ملیں گے۔ یہ برادرانہ تعاون ذہنا صرد او ستد کے اس قسم کے حساب و شمار سے بالکل الگ ہوتا تھا۔ مقصد اس سے یہ ہوتا تھا کہ اس قسم کے ہنگامی اخراجات کو مل بانٹ کر پورا کر لیا جائے۔ برادریوں کی یہ متعارف رسم بڑی مفید تھی۔ اس سے کسی کو یہ خیال نہیں ستاتا تھا کہ اگر کل کو گھر میں میت ہو گئی اور چار پیسے پاس نہ ہوئے تو کیا ہوگا؟

جو کچھ ہمارے ہاں برادریوں میں ہوتا تھا، مغرب میں قریب قریب وہی کچھ "مجالس احباب" (FRIENDLY SOCIETIES) کرتی تھیں (اور اب بھی بعض مقامات پر کرتی ہیں)۔ ان کی ہیئت، ہماری برادریوں کے مقابلہ میں ذرا منظم تھی۔ ان مجالس کے ممبر باہمی چندہ سے ایک فنڈ قائم کر لیتے تھے جس سے ہر ممبر کی ناگہانی مصیبت کے وقت مدد کی جاتی تھی۔ انگلستان میں یہی کچھ (GILDS) کیا کرتے تھے۔ اس قسم کے باہمی تعاون نے انشورنس کا خیال پیدا کیا۔ (اگرچہ اصولی طور پر یہ خیال بہت پرانا ہے۔ یونان میں تیسری چوتھی صدی قبل مسیح میں جہازوں کی انشورنس کا ایک طریقہ رائج تھا۔ یہ جہاز سفر پر روانہ ہوتے وقت کچھ روپیہ بطور قرض لے لیتے۔ اگر جہاز ڈوب جاتا تو یہ رقم بھی ڈوب جاتی۔ اگر واپس آ جاتا تو اصل مع سود ادا کرنا پڑتا)۔

اس کے لئے وہاں باقاعدہ سوسائٹیاں بننا شروع ہو گئیں۔ اور اب کیفیت یہ ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں ناگہانی آفت کے لئے انشورنس کا انتظام موجود نہ ہو۔ اس میں شبہ نہیں کہ انشورنس کمپنی کی ہیئت، ابتدائی برادری یا "مجالس احباب" یا گلڈ سے مختلف ہو گئی ہے لیکن اصولی طور پر حقیقت وہی کارفرما ہے۔ ایک انشورنس کمپنی کے ممبر جو کچھ ادا کرتے ہیں اس سے ایک فنڈ قائم ہو جاتا ہے۔ اس فنڈ سے ان ممبروں کی انشورنس کی رقوم ادا ہوتی ہیں۔ اسی سے انشورنس کمپنی کے اخراجات ادا ہوتے ہیں اور اس کے بعد جو کچھ بچ جاتا ہے اسے بالعموم انہی ممبروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ آپ نے غور کیا کہ مغرب میں "مجالس احباب" کی ابتدائی شکل نے بڑھتے بڑھتے باقاعدہ انشورنس کی صورت اختیار کر لی۔ لیکن ہمارے ہاں پرانی برادریاں بھی نہ رہیں اور ان کی جگہ کسی نئے انتظام نے بھی نہ لی۔ اب حالت یہ ہے کہ کسی پر کوئی ناگہانی آفت آ جائے تو کوئی اس کی مدد کرنے والا نہیں ہوتا۔

ناگہانی مصائب اور ان کے نتائج و عواقب کی طرف قرآن نے اپنے مخصوص انداز میں دلائی ہے۔ اس نے اسے ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے:-

> کیا تم میں سے کوئی اسے پسند کرے گا کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو۔ اس کے نیچے آب رواں چل رہا ہو۔ اس میں ہر قسم کے پھل آتے ہوں۔ باغ کا مالک بوڑھا ہو چکا ہو اور اس کے بچے چھوٹے چھوٹے ہوں۔ ایسے میں باد سموم کا ایک ایسا جھکڑ آئے جو سارے کے سارے باغ کو جلا کر رکھ دے۔ سو تم اللہ کی اس بیان کردہ حقیقت پر غور کرو اور سوچو کہ ان حالات میں اس بوڑھے پر اور اس کی اولاد پر کیا گزرے گی۔ (۲/۲۶۶)

اس نے اس کا علاج بتایا تھا خدا کے نظام ربوبیت کا قیام جس میں ہر فرد معاشرہ اپنی محنت کے ماحصل کو نوع انسانی کی پرورش کے لئے کھلا رکھے اور اس طرح یہ نظام اس دعوے کو پورا کر سکے کہ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (۱۱/۶) اس زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں جس کے سامان زندگی کی ذمہ داری خدا پر نہیں۔ اور وہ افراد معاشرہ سے پورے حتم و یقین کے ساتھ کہہ سکے کہ تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ (۱۷/۳۱) ہم تمہیں بھی کھانے کو دیں گے اور تمہاری اولاد کو بھی۔

اس نظام میں کسی کو کسی قسم کی انشورنس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس میں یہ فرد معاشرہ اپنے تمام ضروریات زندگی از خود (ASSURED) ہوتی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آج جبکہ اس قسم کا نظام موجود نہیں اور معاشرہ کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ مصیبت صرف اس شخص کی سمجھی جاتی ہے جس پر وہ آ پڑے۔ تو اس قسم کی ناگہانی مصیبتوں کے عواقب سے بچنے کے لئے کیا کیا جائے۔ آپ اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالئے اور دیکھئے کہ اس نوجوان پر کیا گزرتی ہے جسے باوجود کوشش بسیار کہیں کام نہیں ملتا۔ اس کاریگر کی کیا حالت ہوتی ہے جو کام پر جاتے جاتے یک لخت بیمار پڑ جاتا ہے اور اس کے گھر میں ایک دن کے لئے پس انداز نہیں ہوتا۔ اس دوکاندار کی کیا حالت ہوتی ہے جس کی دوکان جل جاتی ہے۔ اس بیوہ اور اس کے یتیم بچوں پر کیا گزرتی ہے جس کا خاوند مر جاتا ہے اور کچھ اثاثہ چھوڑ کر نہیں جاتا۔ یہ تمام مصیبت زدہ لوگ اس بھری دنیا میں اپنے آپ کو تنہا پاتے ہیں (یتیم کے معنی ہی یہ ہیں۔ یعنی جو تنہا رہ جائے) ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ ان پر جو کچھ گزرتی ہے اس کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ آپ سوچئے کہ ہمارے موجودہ معاشرہ میں اس کے سوا صورت کیا ہے کہ ہر شخص، اس قسم کے ناگہانی حوادث سے بچنے کے لئے اپنا انتظام کرے، اور وہ انتظام انشورنس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ جہاں خدا کی طرف سے دی ہوئی حمایت موجود نہ رہے، وہاں بہرحال انسانوں کی ایجاد کردہ "انشورنس" کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اگر "حَبْلٌ مِّنَ اللَّهِ" موجود نہیں تو "حَبْلٌ مِّنَ النَّاسِ" کے آسروں کو تقاضا ضروری ہو جائے گا۔ اس میں شبہ نہیں کہ خدائی انشورنس "(یعنی نظام ربوبیت) کے مقابلہ میں "انسانی انشورنس" میں بہت سے نقائص ہیں لیکن بجائے اس کے انسان کے پاس کسی قسم کی بھی انشورنس نہ ہو یہ بہتر ہے کہ کامل و مکمل نہ سہی تو نقص دار انشورنس ہی ہو۔ (بشرطیکہ اس میں قرآن کی کسی شق کی مخالفت نہ ہوتی ہو)

انشورنس پر پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں قمار (جوئے) کا پہلو پایا جاتا ہے۔ لیکن آپ غور کریں گے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ انشورنس اور جوئے میں بنیادی فرق ہے۔ انشورنس میں آپ کا اپنا روپیہ جمع ہوتا رہتا ہے اور مدت معینہ کے خاتمہ پر وہی روپیہ آپ کو واپس مل جاتا ہے (یا بعض صورتوں میں اس سے کچھ کم) البتہ اگر آپ کی موت اس مدت سے پہلے واقع ہو تو آپ کو اپنی رقم سے زائد رقم ملتی ہے۔ یہ زائد رقم درحقیقت اس مضمر معاہدہ کی رو سے ملتی ہے جو آپ نے اس کمپنی کے دوسرے ممبروں (یعنی بیمہ شدہ افراد) کے ساتھ کر رکھا ہوتا ہے کہ اس سے جس کی موت پہلے واقع ہو جائے اسے (دوسرے ممبروں کے سرمایہ میں سے) اتنی زائد رقم بطور امداد دیدی جائے۔ جوئے میں یہ صورت کہیں نہیں ہوتی۔ یاد رکھئے۔ انشورنس کمپنی بنانے والے اپنے گھر سے کسی کو کچھ نہیں دیتے۔ وہ بیمہ کرانے والوں کے روپے (اور اس روپے سے پیدا شدہ دولت) ہی کو ممبروں پر تقسیم کر دیتے ہیں اور اس میں سے اپنا حصہ بھی لے لیتے ہیں۔ دوسرا کام یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں جمع شدہ رقم پر سود ملتا ہے تو یہ اعتراض تنہا انشورنس کے خلاف نہیں بلکہ آج کل کے پورے کے پورے بینکنگ سسٹم کے خلاف ہے۔ تیسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز توکل علی اللہ کے خلاف ہے۔ سو توکل علی اللہ کے اس غلط مفہوم نے تو مسلمانوں کو تباہ کر دیا!

(باقی ص [illegible])

دہر کی طرف انکی نسبت غالباً قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے: "وَقَالُوْا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ"۔

یہ لوگ دنیا کے قدیم اور ابدی ہونے کے قائل تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ دنیا میں جو حادثات ہوتے ہیں وہ اپنے طبعی قوانین کے ماتحت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت ہمارے زمانہ کے مادی اور طبعی لوگوں سے زیادہ قریب تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عقائد ہر زمانہ میں اور ان کے ہر فرقہ میں یکساں نہیں ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مورخین نے ان کے اقوال نقل کرنے میں بڑا اختلاف کیا ہے۔ ان لوگوں نے اکثر اپنی تعلیمات میں یونان کے فلسفۂ قدیم کے مذہب سے استفادہ کیا تھا۔ طبیعین کا یہ مذہب فلاسفۂ یونان کے زمانہ سے لے کر قرونِ وسطیٰ تک مسلسل زندہ رہا۔ اور موجودہ عصر میں نشو و ارتقا کے داعیوں کے ہاتھوں اس نے پھر زندگی پالی ہے۔ ان کی تردید بھی برابر ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ خود یونان کے فلاسفہ سے لے کر قرونِ وسطیٰ کے فلاسفہ تک اس کی تردید کرتے رہے۔ انہی میں سے معتزلہ تھے جن کے سب سے بڑے امام نظام تھے۔ اور عصر حاضر تک ان کی امامت نظام ہی کے حصہ میں رہی تا آنکہ عصر حاضر میں جمال الدین افغانی پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنا مشہور رسالہ الرد علی الدھریین تصنیف کیا[۲]۔

ہمیں افسوس ہے کہ نظام کی کوئی کتاب ہم تک نہیں پہنچ سکی صرف اس کے چند فقرے ہم تک پہنچ سکے ہیں جو جاحظ نے کتاب الحیوان میں کہیں کہیں نقل کئے ہیں۔

نظام نے معتزلہ کے اصول کو ترقی دی، ان میں اضافہ کیا اور ان کو منظم کیا۔ خدا کی توحید کے مسئلہ میں اس نے بڑا ہی وسیع کلام کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "قدرت علی الشر کے ساتھ خدا کو موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ قبیح جب قبیح کی صفت ذاتیہ ہوتا ہے تو خدا سے ایک قبیح کے وقوع کو جائز رکھنا بھی قبیح ہی ہوگا"۔ اس کے علاوہ انسان کے لئے حریتِ ارادہ کے قول میں اس نے اضافہ کیا اور کہا کہ انسان اپنے اعمال پر خود تسلط رکھتا ہے۔ معتزلہ کے جو اصول آج کتابوں میں بیان کئے جاتے ہیں ان کا بڑا حصہ نظام کی ترتیب و تنظیم کا مرہونِ منت ہے۔

دینی آراء

فلسفی آراء کے پہلو بہ پہلو اس کی مخصوص دینی آراء بھی تھیں۔ مثلاً وہ اس کا قائل تھا کہ اعجاز القرآن کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں غیب کی خبریں دی گئی ہیں۔ مثلاً عالمِ غیب کے متعلق اس میں بیانات ہیں، ایسے پیش آنے والے واقعات کی پیشین گوئیاں ہیں جو بعد میں پیش آنے والے تھے۔ کہیں وہ باتیں بتائی گئی ہیں جو لوگوں کے دلوں میں تھیں یا جو باتیں آگے چل کر کہنے والے تھے۔

نظام نے اجماع کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ قطعاً ناممکن ہے جبکہ علماء مختلف شہروں میں جیسا کہ ہم مشاہدہ کر رہے ہیں منتشر ہو چکے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کبھی ان سب کا جمع ہو جانا ممکن بھی ہو جائے تو یہ قطعاً ممکن ہے کہ پوری اُمت رائے اور قیاس کی رو سے کسی گمراہی پر مجتمع ہو جائے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ رائے اور قیاس وحی کی روشنی کے بغیر کبھی بھی حتم و یقین تک نہیں پہنچ سکتے۔ جاحظ نے اجماع کے بارہ میں نظام کا یہی مسلک بیان کیا ہے[۳]۔ چنانچہ وہ اجماع پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ ساتھ ہی قیاس پر بہت کم یقین رکھتے تھے اور روایت حدیث کی صحت پر اس سے بھی کم یقین رکھتے تھے۔ ان کے متعلق غالباً یہ کہنا بیجا نہیں ہوگا کہ وہ قرآن اور عقل کے سوا کسی بنیاد پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ نظام کی شخصیت سچ مچ ایک عجیب و غریب شخصیت تھی۔ اُنہیں اپنی قوتِ شخصیت اور قوتِ عقلیت کا خود بھی شعور تھا۔ چنانچہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُن کے سامنے کوئی چیز بھی ٹھہر سکے۔ جہاں تک ان کی عقل انہیں پہنچاتی تھی وہ اسی کے مطابق قرآن کی تفسیر کرتے تھے۔ محدثین جو کچھ روایات بیان کرتے تھے وہ ان پر اپنی عقل سے فیصلے کرتے تھے صحابۂ کرام کے جو اعمال و آثار نقل کئے جاتے تھے ان کی تنقید و تحلیل میں وہ اپنی عقل سے آزادانہ کام لیتے تھے۔ فقہاء سے وہ ان کی بہت سی باتوں میں متفق نہیں تھے۔ حتیٰ کہ خود معتزلہ سے بھی ان کی تمام باتوں میں اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ وہ بڑے سے بڑے فلاسفہ پر حملہ کر بیٹھتے تھے اُن کو ان فلاسفہ کے تسلط کا بھی اعتراف نہیں تھا۔ وہ ارسطو پر نکتہ چینی کرتے تھے اور ذرہ (ATOM) کے منکرین کی تغلیط کرتے تھے۔ طبیعین کی خطائیں نکالتے تھے۔ غرضیکہ ان کی عقل ان کے عواطف و جذبات پر حاوی اور ان کی رائے اُن کی فکر روحی دین پر غالب آ گئی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہر چیز کو منطق (LOGIC) کے تابع لے آئیں مگر وہ اس کو نظر انداز کر گئے کہ دنیا خود منطق اور فن ہے۔ انسان خود عقل و شعور ہے اور زندگی خود رائے اور جذبات ہی کا نام ہے۔

اگر نظام نہ ہوتے..

ان کے بعد معتزلہ میں کوئی ان جیسا آدمی پیدا نہیں ہو سکا۔ جاحظ نے کتنا صحیح کہا ہے کہ اگر متکلمین نہ ہوتے تو تمام امتوں کے عوام تباہ ہو گئے ہوتے۔ اور اگر معتزلہ نہ ہوتے تو تمام مذاہب اور فرقوں کے عوام تباہ ہو گئے ہوتے۔ اس کے بعد اگر میں یہ نہ کہوں کہ اگر ابراہیم کے اصحاب اور ابراہیم (یعنی نظام) نہ ہوتے تو عام معتزلہ ختم ہو گئے ہوتے۔ تو میں یوں تو یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ نظام ہی تھے جنہوں نے معتزلہ کے لئے راستے ہموار کئے۔ وہی تھے جنہوں نے ان کے لئے معاملات و مسائل کو واضح کیا اور ایسے دروازے کھول دیئے جن سے عظیم منفعت ظاہر ہوئی اور نعمت خداوندی نے اپنے احاطہ میں لے لیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و رضی عنہ وارضاہ۔

باب المراسلات

(صفحہ ۱۷ سے آگے)

توکل کا یہ تصور قرآن کے یکسر خلاف ہے۔

مسلمانوں کی مملکت میں کرنے کا کام تو یہ ہے کہ (۱) اس میں قرآن کا معاشی نظام رائج کیا جائے جس کی رو سے کسی فرد معاشرہ کو کسی قسم کی جداگانہ انشورنس کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ (۲) جہاں ایسی صورت نہ ہو وہاں بر سبیلِ تنزل، اس قسم کی انشورنس کمپنیاں اور بینک کھولے جائیں (یا قانون انشورنس اور بینکنگ میں اس قسم کی تبدیلیاں کی جائیں) جن سے ان نقائص کے بغیر جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے باہمی امداد کی صورت پیدا ہو جائے۔

لیکن جہاں نہ یہ ہو سکے نہ وہ۔ وہاں (بحالت مجبوری) انہی کمپنیوں میں انشورنس کرانی پڑے گی جو موجود ہیں۔ ہماری قرآنی بصیرت کے مطابق اس میں کوئی بات ایسی نہیں جسے حرام کہا جا سکے مسلمان جس قسم کی اقتصادی بدحالی میں گرفتار ہے اور جس رفتار سے یہ دن بدن نکبت و افلاس کے جہنم کی طرف بڑھے جا رہا ہے اس کے پیشِ نظر ان کے لئے انشورنس نہایت ضروری ہو چکی ہے۔ اے کاش! ہماری حکومت اس طرف توجہ کرتی اور قوم کو اس تباہی سے بچا لیتی جس کے آثار روز بروز نمایاں تر ہوتے جا رہے ہیں۔

اسلام کی سرگذشت

(صفحہ ۸ سے آگے)

خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ اس بُری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کیا اس ذلت کے باوجود اس لڑکی کو رہنے دے یا اُسے مٹی میں ٹھونس دے۔ اُف کتنا بُرا یہ فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں)

لیکن جو لوگ متمدن تھے وہ اُن سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ وہ شہروں میں رہتے تھے اور وہاں جم کر رہتے تھے۔ تجارت یا زراعت پر گذر اوقات کرتے تھے۔ اور اسلام سے پہلے انہوں نے کئی مہذب مملکتوں کی بنیادیں ڈال دی تھیں۔ جیسے یمن، شام میں غسانی قبائل اور عراق میں لخم کے قبائل جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔ (باقی)

ماہنامہ طلوعِ اسلام کے پُرانے پرچے

۱۹۴۸ء سے لے کر جنوری ۱۹۵۵ء تک کے بعض پرچے دفتر میں موجود ہیں جو ممبرانِ طلوعِ اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیدیئے جائیں گے۔ اس رعایت سے ۳۰ر اپریل تک فائدہ اٹھایا جا سکے گا۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۔ کراچی

[۲] ملاحظہ ہو دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں "دھریین" کا مادہ۔ [۳] ملاحظہ ہو انتصار صفحہ ۵۱

اسلامی نظام

قیمت -/۲ روپے

اسباب زوال امت

قیمت -/۱/۸ روپیہ

سلسلہ مطبوعات طلوع اسلام

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلق اویسؓ و چادر زہرؓا
(اقبال)

مزاج شناس رسول

جماعت اسلامی کی خطرناک ڈکٹیٹرشپ پر
طلوع اسلام کا بے لاگ تبصرہ

شائع کردہ
ادارہ طلوع اسلام کراچی

ضخامت ۴۴۸ صفحات - مجلد مع گرد پوش -
قیمت -/۴ روپے علاوہ محصول ڈاک

سلسلہ مطبوعات طلوع اسلام

بچوں عورتوں کم پڑھے لکھے لوگوں اور سرکاری ملازموں کیلئے

اسلامی معاشرت

جس میں آسان زبان میں بتایا گیا ہے کہ اسلام کسے کہتے ہیں
اور قرآن کی رو سے مسلمانوں کا معاشرہ کس قسم کا ہونا چاہیئے

پرویز

شائع کردہ
ادارہ طلوع اسلام کراچی

ضخامت ۱۹۲ صفحات مجلد مع گرد پوش
قیمت -/۲ روپے علاوہ محصول ڈاک

دور حاضرہ کی ایک عجیب و غریب کتاب

ہماری بصیرت کے مطابق

قرآنی فیصلے

ایسے متعدد امور کے متعلق جنہیں
سمجھا کچھ اور جاتا ہے اور وہ ہیں کچھ اور

شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی

ضخامت ۴۰۸ صفحات مجلد مع گرد پوش
قیمت -/۴ روپے علاوہ محصول ڈاک

این کتاب از آسمانی دیگر است

ابلیس و آدم

انسانی تخلیق، نظریۂ ارتقا، قصۂ آدم، ابلیس، شیطان، جنات
ملائکہ، وحی و رسالت کے متعلق تفصیلی مباحث شامل ہیں
ایسے اہم عنوانات، قرآنی ارشادات اور جناب پرویز کا قلم
عقل و عشق کا ایسا حسین امتزاج شاید ہی کہیں اور ملے۔

شائع کردہ ادارۂ طلوعِ اسلام کراچی

مجلد ۵؍

Title Printed at Mujid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Adabi Press, Rahman Road, Karachi